تفسیر
سورۂ تحریم

سُورَةُ التَّحْرِيمِ

مَدَنِيَّةٌ ــــــــــــــــــــ آیات : ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱﴾ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۲﴾ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۳﴾ اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴿۴﴾ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ﴿۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا

يُخۡزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ ۚ نُوۡرُهُمۡ يَسۡعٰى بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ
وَبِاَيۡمَانِهِمۡ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَاغۡفِرۡ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ
شَيۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۸﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الۡكُفَّارَ وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ وَاغۡلُظۡ عَلَيۡهِمۡ ؕ
وَمَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۹﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوا
امۡرَاَتَ نُوۡحٍ وَّامۡرَاَتَ لُوۡطٍ ؕ كَانَتَا تَحۡتَ عَبۡدَيۡنِ مِنۡ عِبَادِنَا
صَالِحَيۡنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمۡ يُغۡنِيَا عَنۡهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيۡئًا وَّقِيۡلَ ادۡخُلَا
النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيۡنَ ﴿۱۰﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوا امۡرَاَتَ
فِرۡعَوۡنَ ۘ اِذۡ قَالَتۡ رَبِّ ابۡنِ لِيۡ عِنۡدَكَ بَيۡتًا فِي الۡجَنَّةِ وَنَجِّنِيۡ
مِنۡ فِرۡعَوۡنَ وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۱﴾ وَمَرۡيَمَ ابۡنَتَ
عِمۡرٰنَ الَّتِيۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا فَنَفَخۡنَا فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِنَا وَصَدَّقَتۡ
بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتۡ مِنَ الۡقٰنِتِيۡنَ ﴿۱۲﴾

اے پیغمبر کیوں حرام کرتے ہو وہ چیز جو اللہ نے تمھارے لیے جائز ٹھیرائی۔ اپنی بیویوں کی رضاجوئی میں۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے فرض کر دیا ہے تم لوگوں کے لیے تمھاری (خلاف شرع) قسموں کا کھولنا، اور اللہ ہی تمھاری پناہ ہے اور وہ علم والا اور حکمت والا ہے۔

اور جب پیغمبر نے اپنی کسی بیوی سے راز کی کوئی بات کہی، پھر جب انھوں نے وہ افشا کر دی اور پیغمبر کو اللہ نے اس سے باخبر کر دیا۔ کچھ بات پیغمبر نے جتا دی اور کچھ ٹال دی۔ پھر جب پیغمبر نے بیوی کو اس کی خبر کی، بولیں، کس نے آپ کو خبر کی اس کی؟ کہا مجھ کو خبر دی خداوند علیم و خبیر نے۔ اگر تم دونوں اللہ کی طرف رجوع کرو تو یہ اقرب ہے کیونکہ تمھارے دل تو مائل ہی ہو چکے ہیں اور اگر اس کے

خلاف ایکا کرو گی تو اللہ اس کا حامی ہے اور جبرئیل اور نیکوکار مسلمان اور مزید برآں فرشتے بھی اس کے مددگار ہیں۔ بہت ممکن ہے کہ اس کا پروردگار، اگر وہ تمھیں طلاق دے دے تو تمھارے بدلے تم سے بہتر بیبیاں اس کو بہم پہنچا دے، اطاعت شعار، مومنہ، فرماں بردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزہ رکھنے والیاں، شوہر آشنا اور کنواریاں۔

اے ایمان والو، اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے، جس پر درشت اور سخت گیر ملائکہ مقرر ہوں گے، جو حکم اللہ ان کو دے گا، اس میں وہ اللہ کی نافرمانی نہ کریں گے، اور تعمیل کریں گے حکم کی۔ اے وہ لوگو جنھوں نے کفر کیا، آج عذر مت پیش کرو، تم اپنا کیا بدلہ میں پا رہے ہو۔

اے ایمان والو، اللہ کی طرف توبہ کرو، توبہ خالص، اقرب ہے کہ تمھارا پروردگار تمھاری برائیاں تم سے دور کر دے اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جس دن کہ اللہ نبی کو رسوا نہ کرے گا اور نہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اس کے ساتھ، ان کی روشنی دوڑے گی ان کے آگے اور ان کے دہنے، کہیں گے، اے پروردگار! ہمارے نور کو کامل کر اور ہماری مغفرت فرما، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اے پیغمبر جہاد کرو، کفار اور منافقین کے ساتھ اور ان پر سخت ہو جاؤ، ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

اللہ مثل بیان کرتا ہے کافروں کے لیے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی، دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں، پس انھوں نے خیانت کی، پس وہ دونوں کچھ کام نہ آئے ان کے اللہ کے مقابل میں۔ اور حکم ہوا کہ دونوں داخل ہو جاؤ جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ اور

اللہ مثل بیان کرتا ہے ایمان والوں کے لیے فرعون کی بیوی کی، جب اس نے دعا کی اے میرے پروردگار بنا میرے لیے اپنے پاس ایک گھر جنت میں اور مجھ کو نجات دے فرعون اور اس کے عمل سے اور مجھ کو نجات دے ظالموں کی قوم سے۔ اور مریم بنت عمران کی، جس نے اپنی عصمت محفوظ رکھی، پس پھونکی اس میں ہم نے اپنی روح، اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرمانبردار بندوں میں سے تھی۔

۱۔ سورہ کا نظام اور آیات کا محل

یہ سورہ ان دس سورتوں میں کی آخری سورت ہے،[1] جو وعدۂ الٰہی[2] کے مطابق مسلمانوں کی اصلاح اور ان کی تطہیر کے لیے نازل ہوئیں۔ نیز یہ قوانین شریعت کے بیان کی آخری سورت ہے۔ اس بحث کی پوری تفصیل سورۂ حدید کے شروع میں گزر چکی ہے۔ علاوہ ازیں یہ سورۂ طلاق کی، جو اس سے پہلے ہے، شاخ ہے، پس سورۂ طلاق کی تاویل پر غور کرنا بھی اس کے مطالب کو روشنی میں لائے گا۔

تزکیہ کی ان دس سورتوں میں جو سورۂ حدید سے شروع ہو کر سورہ تحریم پر ختم ہوتی ہیں ہر انسان کو اپنے اور اپنے اہل وعیال کے احتساب کی انتہائی سختی کے ساتھ تاکید فرمائی گئی ہے کیونکہ خدا کے دین میں کوئی جان کسی دوسرے کے قول وفعل کی ذمہ دار نہیں ہو سکتی۔ تحریم کی ساتویں آیت اپنے مفہوم میں بالکل کھلی ہوئی ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ط إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ہ — اے وہ لوگو! جنھوں نے کفر کیا، آج عذر مت بیان کرو، تم اپنی کمائی بدلہ میں پا رہے ہو۔

یہ بعینہٖ اسی مضمون کا اعادہ ہے جو لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (اور کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی) اور وَلَا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا (اور کوئی جان کسی دوسری جان کے کچھ کام نہ آئے گی) وغیرہ آیات میں بیان ہوئے ہیں۔

یعنی آج عذر کی گنجائش نہیں ہے جو بدلہ تم کو ملا ہے وہ انصاف، علم الٰہی اور تمہارے اعمال کے ٹھیک ٹھیک مطابق ملا ہے۔ کسی طرح کی کمی بیشی یا ناانصافی نہیں کی گئی ہے۔ دوسرے مقامات میں بھی یہ مضمون بیان ہوا ہے مثلاً لَيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (انسان کے لیے صرف اس کی کمائی ہے) هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (تم صرف

[1] یعنی سورۂ حدید سے سورہ تحریم تک (مترجم) [2] غالباً اس وعدہ کی طرف اشارہ ہے جس کا حوالہ آنحضرت صلعم کی بعثت کے مقاصد کے سلسلہ میں دیا گیا ہے۔ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ (آپ لوگوں کا تزکیہ کریں گے اور ان کو کتاب کی تعلیم دیں گے)۔ (مترجم)

اپنا کیا بدلہ میں پا رہے ہو) ساتویں فصل میں اس اجمال کی تفصیل ملے گی۔

پس اس سورہ میں ہم کو اس بات کا سبق دیا گیا ہے کہ ہم پوری شدت کے ساتھ اپنا اور اپنے متعلقین کا محاسبہ کرتے رہیں۔ کلام کا آغاز نبی صلعم کے خطاب سے ہوا ہے۔ اور آپ کی گرفت ایک ایسی بات پر ہوئی ہے جو بظاہر نہایت معمولی نظر آتی ہے بلکہ عام نگاہ میں تو ایسی بات برائیوں کے بجائے نیکیوں میں گنی جاتی ہے۔ دنیا میں کتنے ہوں گے جنھوں نے بعض چیزیں اپنے اوپر اس خیال سے حرام کر لی ہوں گی کہ ایسا کرنا دینداری اور پرہیزگاری کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوگا۔ لیکن اس آیت نے کھول دیا کہ اس بارہ میں دین فطرت کی رہنمائی ہمارے عام خیال کے بالکل خلاف ہے۔ یہیں یہی وہ نور کامل عطا ہوا ہے جس کا حسب روایت انجیل یوحنا، عیسیٰ علیہ السلام کے کلام میں وعدہ کیا گیا تھا، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس سورہ میں نور کا ذکر موزوں ہوا۔[1] اس بحث کی پوری تفصیل سورۂ نور اور سورۂ حدید کی تفسیر میں موجود ہے۔

یہاں ایک خاص قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ جس بات پر آنحضرت صلعم کا محاسبہ ہوا ہے اس کا تعلق کسی اجتماعی معاملہ سے نہیں ہے بلکہ وہ آنحضرت صلعم اور آپ کی ازواج کے درمیان کی ایک بات ہے (۱-۵) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے معاملے میں کسی قسم کی چشم پوشی جائز نہیں ہے۔ اگر دینی معاملات میں چشم پوشی جائز ہوتی تو رسول اللہ صلعم اور آپ کے اہل بیت اس بات کے زیادہ حق دار تھے کہ ان سے چشم پوشی کی جائے۔

اس تمہید کے بعد عام مسلمانوں کو مخاطب کر کے آگاہ کیا ہے کہ وہ پیغمبر کے نمونہ کی پیروی میں اپنے اور اپنے اہل وعیال کی طرف سے پوری طرح چوکنے رہیں (۶-۷) اس کے بعد ان کو تسلی دی ہے کہ یہ ڈرتے رہنا اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ گناہوں سے پاک کرے اور قیامت کے دن نبی کی معیت ورفاقت نصیب کرے۔ اس شرف کے حصول کے لیے پوری طرح مستعد اور سرگرم رہنا ناگزیر ہے۔ ساتھ ہی خوشخبری دی ہے کہ قیامت کے دن خداوند تعالیٰ اہل بیت اور آپ کے اصحاب کرامؓ کو عزت دے کر اپنے پیغمبر کی شان دوبالا کرے گا۔ کیونکہ عزیزوں اور متعلقین کی سرفرازی بھی درحقیقت اپنی ہی سرفرازی ہے۔ عرب اس نکتہ سے خوب واقف تھے۔ طرفہ کا یہ شعر بہت مشہور ہے۔

واعلم علماً ليس بالظن انه — اذا ذل مولى المرء فهو ذليل

(اور میں اس بات سے اچھی طرح واقف ہوں اور یہ میرا محض گمان نہیں ہے کہ جب آدمی کے اعزا ذلیل ہو جاتے ہیں — تو وہ خود بھی ذلیل ہو کے رہ جاتا ہے)

پس جب اللہ تعالیٰ کی مرضی یوں ہوئی کہ وہ اپنے پیغمبر کی شان اور عزت بڑھائے تو اس نے آپؐ کو صحابہؓ کے اصلاح و تزکیہ کی طرف پوری توجہ کرنے کی تاکید فرمائی، اور یہ آپؐ کی ان ذمہ داریوں میں سے ایک بڑی ذمہ داری تھی جس کا آپؐ کی بعثت کے سلسلے میں بار بار ذکر ہو چکا تھا يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (ان کو پاک کرتا ہے، اور کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے) اور اس سلسلہ کا سب سے مقدم فرض اہل بیت کی اصلاح وتطہیر تھا چنانچہ ان پر پوری شدت کے ساتھ گرفت کی گئی تاکہ قیامت کے دن ان کو پیغمبر کی صحبت ومعیت نصیب ہو۔ معاملہ کا یہی پہلو ہے جس کی وجہ سے آٹھویں آیت

[1] نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ کی طرف اشارہ ہے۔

میں پیغمبر صلعم کو بشارت دی ہے کہ آپ اور آپ کے اصحاب قیامت کے دن رسوائی سے محفوظ ہوں گے (یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ) اور اسی بشارت سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ محاسبہ کی یہ سخت گیری اس لیے نہیں ہے کہ لوگوں کی زندگی تنگی اور پریشانی میں ڈال دی جائے بلکہ اس کا مقصود لوگوں کو پاک کر کے ان پر اپنی نعمت کو تمام کرنا ہے۔ دوسری جگہ اسی حقیقت کی طرف اشارہ فرما کر دلوں کو اس طرح تسکین دی ہے۔

مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ (المائدہ - ۶)

اللہ یہ نہیں چاہتا کہ تم کو کسی تنگی میں ڈالے۔ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے۔

اسی انداز پر اس سورہ میں پیغمبر صلعم کو ان الفاظ میں بشارت دی ہے۔

یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَبِاَیْمَانِهِمْ۔

جس دن کہ اللہ پیغمبر کو رسوا نہ کرے گا اور نہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ اس کے ساتھ ان کی روشنی ان کے آگے اور ان کے دہنے دوڑتی ہوگی۔

اور یہ بات شدت محاسبہ کی تاکید اور وعدۂ مغفرت کے بعد فرمائی ہے۔

اس کے بعد محاسبہ کا یہ دائرہ جو صرف اہل بیت اور نبی صلعم کے صحابہ تک محدود تھا وسیع ہو کر ایک احتساب عمومی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے یعنی آنحضرت صلعم کو کفار و منافقین کے ساتھ جہاد اور سختی و سخت گیری کا معاملہ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے تاکہ قبل اس کے کہ وہ خدا کے سخت گیر ملائکہ کی پکڑ سے دوچار ہوں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احتساب کے چھاج میں اچھی طرح پھٹک لیے جائیں۔

اس کے بعد چار مثالیں بیان فرمائی ہیں جو اصل مضمون، یعنی اس امر پر دلیل ہیں کہ انسان اپنے قول و فعل کا خود ذمہ دار ہے۔ پس دین کے معاملے میں اس کے لیے صرف ایک ہی راہ ہے کہ وہ چاق و چوبند ہو کر اپنے پاؤں پر کھڑا ہو، جھوٹی آرزوؤں کے فریب میں نہ پڑے۔ اس کا مقصد عربوں اور یہودیوں کو آگاہ کرنا ہے کہ وہ باپ دادا کے بھروسہ پر مطمئن نہ رہیں بلکہ اپنے اعمال و کردار کو دیکھیں۔ ساتویں فصل میں اس کی مزید تفصیل ملے گی۔

۲-۱ احتساب سنتِ الٰہی ہے

احتساب صرف آنحضرت صلعم کی بعثت کی خصوصیات میں سے نہیں ہے بلکہ یہ ایک عام سنت الٰہی ہے جو ہر پیغمبر کی بعثت کے دور میں ظاہر ہوئی ہے۔ البتہ بعثت محمدی نے اس کے تمام پہلو پوری طرح بے نقاب کر دیے ہیں۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ احتساب اللہ تعالیٰ کی سنت اور اس کے عدل و حکمت کا لازمی اقتضا ہے۔ آدمؑ، نوحؑ، داؤدؑ، عیسیٰؑ اور محمد (علیہم الصلوٰۃ والسلام) سب پر خدا کا عتاب ہوا۔ قرآن مجید میں اس کے اشارات موجود ہیں۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت یونسؑ، حضرت موسیٰؑ، اور آنحضور صلعم کے اللہ تعالیٰ سے شکوے بھی قرآن مجید

میں مذکور ہیں۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کوئی خاکسار اور فرمانبردار بندہ اپنے پروردگار کا محاسبہ کرنے کی جرأت کرے۔ البتہ اس سے احتساب کی اصل حقیقت روشنی میں آتی ہے کہ خدا کی طرف سے جب احتساب ہوتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندہ کی اصلاح و تربیت پر کمال عنایت مبذول فرماتا ہے اور درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تمام تنبیہات اور تمام سرزنشوں کا مقصود یہی ہوتا ہے۔ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَتَضَرَّعُوْنَ (پس ہم نے ان کو فقر اور مرض کی تکلیفوں میں پکڑا تاکہ وہ ہمارے سامنے گریہ وزاری کریں) اس کی تفصیل سورۂ عبس اور اعراف میں کی گئی ہے۔

اور بندہ جب اپنے مولیٰ سے شکوہ کرتا ہے تو اس کا مقصد محض اعتماد و توکل کی بنا پر اپنے رب کے سامنے اپنی امیدوں کا اظہار ہوتا ہے۔

۳- سورہ کا عمود

اوپر کی تفصیلات سے یہ بات آپ سے آپ واضح ہوگئی کہ اس سورہ کا مقصود یہ بتانا ہے کہ انسان کو خدا نے جو امانت سونپی ہے اس کا وہ تنہا ذمہ دار ہے۔ پس اس کے لیے نجات کی راہ صرف یہ ہے کہ وہ اس ذمہ داری کا سچا احساس رکھے اور اس ذمہ داری کے ادا کرنے میں اگر اس سے کوتاہیاں صادر ہوں تو مخلصانہ توبہ کے ذریعہ سے ان کی تلافی کرتا رہے۔ اس طرح یہ سورہ گمراہی کے تمام اسباب کا سدباب کر رہی ہے تاکہ جو پاک ہونے کے قابل ہیں وہ نیکی اور پاکیزگی کی راہ اختیار کریں اور جو ہلاک ہونا چاہتے ہیں ان پر خدا کی حجت پوری ہو جائے۔

اسی اجمال کی تفصیل کے لیے پہلے بیان فرمایا ہے کہ تمام مسلمانوں پر خود ان کی اور ان کے اہل و عیال کی ذمہ داری ہے۔ پھر ان کو چشم پوشی کے برے نتیجہ سے خبردار کیا ہے کہ خدا کے فرشتوں کی پکڑ بڑی ہی سخت ہوگی۔ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (وہ نہایت سخت اور سخت گیر ہوں گے اور اللہ جو ان کو حکم دے گا اس کی خلاف ورزی نہیں کریں گے، جو حکم ملے گا وہی کریں گے) پس ہر شخص کے لیے فلاح کی راہ صرف یہی ہے کہ وہ سچے دل سے توبہ کرے اور دین کے معاملے میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پروا نہ کرے، تاکہ وہ قیامت کے دن رسوا نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے نوازا جائے اور نورِ کامل سے سرفراز ہو۔

مومنین کو آمادگی و مستعدی کی تعلیم دینے کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ فرمائی اور آپ کو منافقین و کفار کے ساتھ جہاد کرنے اور ان کے معاملہ میں سختی و سخت گیری کا رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ دنیا ہی میں توبہ کر لیں۔ اور آخرت میں جہنم کے ہولناک عذاب میں گرفتار نہ ہوں۔ کیونکہ قیامت میں نہ انبیاء کا رشتہ کام آئے گا اور نہ خود ان کا یہ نفاق آلود ایمان۔ اس حقیقت کی طرف سورۂ حدید میں بھی، جو اس مجموعہ کی پہلی سورہ ہے، اشارہ فرمایا ہے۔

معاملۂ دین میں یہ سخت گیری آں حضرت صلعم کی ان خصوصیات میں سے ہے جن کا حوالہ سابق انبیاء نے بھی دیا ہے۔ حضرت یحییٰ بن ذکریا علیہما السلام آپ کی شان میں فرماتے ہیں:

"اس کا چھاج اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے کھلیان کو خوب صاف کرے گا اور اپنے گیہوں کو توکھتے میں جمع کرے گا

"مگر بھوسی کو آگ میں جلائے گا جو بجھنے کی نہیں۔" (متی ۳-۱۲)

اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مکاشفات میں ہے کہ "پیغمبر لوہے کے لٹھ سے ان کی چرواہی کرے گا۔" اس کی تفصیل سورۂ فیل میں بیان ہوئی ہے۔

یہ امر کہ سخت گیری دین کے واجبات اور روحانی سیاست کے لوازم میں سے ہے، کسی قدر تفصیل طلب ہے۔ اس کے لیے تمھیں حضرت یحییٰ اور حضرت موسیٰ علیہما السلام اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی سیر میں ہماری کتاب ملکوت اللہ؎ میں پڑھنی چاہئیں۔ نیز وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے بھی ہم نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ اس فقرہ میں احتساب کی اہمیت کی طرف ایک نئے پہلو سے توجہ دلائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کی وسعت کے باوجود دنیا اور دنیا والوں سے بالکل بے پروا ہے۔ اس کا سارا کارخانہ کامل عدل کے اصول پر قائم ہے اور یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ احتساب کی سخت گیری قساوت قلب اور سنگ دلی کا مظہر نہیں ہے بلکہ عین رحمت و محبت کا مظہر ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا ہے کہ آپ قسی القلب اور سنگ دل نہیں ہیں بلکہ نرم دل اور مہربان ہیں فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (یہ اللہ کی رحمت ہے کہ تم ان کے لیے نرم ہو اور اگر سخت زبان اور سخت دل ہوتے تو یہ تمھارے پاس سے منتشر ہو جاتے)۔ اس کی کسی قدر تفصیل جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ کی شرح کے سلسلہ میں فصل ۱۳ میں آئے گی۔

۴۔ دین فطرت فسق و رہبانیت کے درمیان ایک نقطۂ اعتدال ہے

احتساب کے متعلق دوسری بات جاننے کی یہ ہے کہ اس کا منشا زیادہ سے زیادہ شدت و اہتمام کے ساتھ اعتدال پر قائم رہنا اور قائم رکھنا ہے۔ بہت سی قوموں نے اعتدال کی اہمیت کو نہیں سمجھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ افراط و تفریط کی وادیوں میں بھٹک گئیں۔ قرآن نے اس معاملے کی طرف متعدد جگہ اشارات کیے ہیں۔ سورۂ مائدہ کی ایک آیت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ (مائدہ ۵-۸۷-۸۸)

اے ایمان والو، جو چیزیں اللہ نے تمھارے لیے جائز کی ہیں ان میں سے پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ کرو اور حدود سے آگے نہ بڑھو، اللہ حدود سے آگے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا، اور کھاؤ ان چیزوں میں سے جو اللہ نے تم کو بخشی ہیں، حلال و طیب کو اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔

اس آیت میں پاکیزہ چیزوں کے حرام قرار دینے کو اعتداء (حدود سے آگے بڑھنا) سے تعبیر فرمایا ہے، یعنی یہ

؎ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب مکمل نہیں ہو سکی۔ اس کا بہت تھوڑا حصہ لکھا جا سکا اور افسوس ہے کہ جتنا حصہ لکھا جا سکا وہ بھی اب تک شائع نہ ہو سکا۔ (مترجم)

اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حدود سے تجاوز اور آگے بڑھ جانا ہے جو خدا کو پسند نہیں بلکہ اس کی نظر میں یہ نہایت مبغوض فعل ہے۔

آں حضرت صلعم نے احادیث میں اس حقیقت کی توضیح فرمائی ہے کہ دین فطرت اور صراط مستقیم سر تا سر اعتدال اور میانہ روی ہے۔

اب اس سورہ پر غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ شروع سے اخیر تک یہ سورہ جس سانچہ میں ڈھلی ہے، وہ سانچہ ہی حسن اعتدال کا ایک بہترین سانچہ ہے اور بہتر سے بہتر شکل میں اس امر کو دعوت دے رہی ہے کہ ہر قدم پر اعتدال کا پورا اہتمام و التزام رکھا جائے۔ اس میں پہلی ہی بات جو ہم کو ملتی ہے رہبانیت کی جڑ کاٹ دینے کے لیے تنہا وہی کافی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حلال کو حرام کرنا اور حرام کو حلال کرنا دونوں یکساں جرم ہیں، اور دونوں ہی بے راہ روی اور تجاوز کے حکم میں داخل ہیں۔ بس اتنا فرق ہے کہ حرام کو حلال کرنا فسق ہے جس کا سرچشمہ انسان کی شہوت اور سرکشی ہے اور حلال کو حرام کرنا رہبانیت ہے جس کا مصدر جہالت اور بے وقوفی ہے اور معلوم ہے کہ دین جس قدر جہالت سے دور ہے اس قدر کسی چیز سے بھی نہیں۔ جہل ہی شرک کا دروازہ کھولتا ہے جو صحیح معنوں میں دین کا ضد ہے۔ وہ خشیت جو محمود اور خدا کی نظروں میں پسندیدہ ہے جہالت سے نہیں پیدا ہوتی بلکہ علم صحیح سے پیدا ہوتی ہے۔ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (اللہ سے اس کے بندوں میں سے علما ہی ڈرتے ہیں) میں اسی پسندیدہ خشیت کی طرف اشارہ ہے۔ اس مضمون کی پوری تفصیل سورۂ بقرہ کے شروع میں ہم کر چکے ہیں۔ قرآن نے دوزخیوں کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا اُولٰۗىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ

ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، ان کے آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، وہ چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں، یہی بے خبر ہیں۔

یہ آیت مشرکین کے متعلق ہے، اس میں ان کی ساری بدبختی کا سبب ان کی غفلت و جہالت کو قرار دیا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ غفلت و جہالت ہی شرک کا دروازہ کھولتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومنین کی نمایاں صفت قرآن نے عقل، علم اور حکمت بیان کی ہے اور بعینہٖ یہی بات احادیث میں بھی وارد ہے۔ علم و حکمت کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ٹھیک راہ پر قدم کو استوار رکھتے ہیں اور فسق و رہبانیت کی وادیوں میں بھٹکنے سے بچاتے ہیں۔ قرآن کی دوسری آیت میں بھی رہبانیت سے بچتے رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ

پوچھو کس نے حرام کی اللہ کی بخشی ہوئی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی اور رزق کی پاکیزہ چیزیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَرَهْبَانِيَّةَۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ

اور رہبانیت جو انھوں نے خود ایجاد کر لی۔ ہم نے ان کے اوپر نہیں فرض کی مگر اللہ کی رضا جوئی۔

۵۔ فسق اور رہبانیت میں فرق

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد کہ دین کا نقطۂ کمال اعتدال ہے اور فسق اور رہبانیت دونوں ضلالت ہیں، چند لفظوں میں ان دونوں کا فرق بھی سمجھ لینا چاہیے۔

فسق کی برائی رہبانیت کے مقابل میں بہت زیادہ ہے۔ یہ عبدیت اور بندگی کا ضد اور تکبر و شیطنت کا مظہر ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت مبغوض ہے۔

رہبانیت کا حال اس سے کچھ مختلف ہے۔ یہ بعض حالتوں میں انسان کے لیے تربیت نفس کا ذریعہ بن جاتی ہے جس طرح طبیب کبھی کبھی مریض کا علاج فاقہ سے کراتا ہے اسی طرح بعض نیک لوگ بھی اپنی بعض روحانی بیماریوں کا علاج ترک دنیا اور رہبانیت سے کرتے ہیں۔ اس حد تک اس میں چنداں مضائقہ نہیں ہے۔ یہ چیز نیکی اور تقویٰ کے قیام میں معین اور اس کا وسیلہ بن جاتی ہے۔ اس میں فساد یہاں سے پیدا ہوتا ہے کہ آدمی بعض اوقات اس عارضی علاج کو ایک مستقل فطری غذا اور خدا کی خوشنودی اور رضا کا واحد ذریعہ خیال کر بیٹھتا ہے۔ معاملہ کا یہ پہلو نہایت خطرناک ہے۔ یہ خدا کی بنائی ہوئی فطرت کو بگاڑنا اور مسخ کرنا ہے۔ اور اس سے طرح طرح کی روحانی بیماریوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور ایسی حالت میں ضروری ہوتا ہے کہ نہایت شدت کے ساتھ اس سے روکنے کی کوشش کی جائے۔

بعض مرتاض بزرگوں اور نیز بعض انبیاءِ کرام کے حالات سے یہ دھوکا ہوتا ہے کہ یہ حضرات رہبانیت کو فطرت کے معروف خصائل و عادات کے مقابل میں اصلاح نفس کے لیے زیادہ بہتر اور مکمل صورت خیال کرتے رہے ہیں۔ لیکن حقیقت حال یہ نہیں ہے۔ صلحاء اور انبیاءِ کرام میں سے جن لوگوں کی زندگیوں میں اس کا کوئی اثر نظر آتا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یا تو انھوں نے اپنے کسی مرض کی اصلاح کے لیے بطور ایک عارضی نسخہ کے اس کو اختیار کیا۔ یا یہ ہوا کہ کسی بیمار قوم کی حالت مقتضی ہوئی کہ اس کی اصلاح و تربیت کے لیے اس کو ایسے قوانین دیے جائیں جو فطرت کے عام مقتضیات سے کچھ مختلف ہوں۔ تاکہ وہ آہستہ آہستہ صحیح فطری حالت کو قبول کرنے کے لائق ہو جائے۔

اس طرح کا رجحان کسی قدر نمایاں صورت میں، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زندگیوں میں نظر آتا ہے لیکن معلوم ہے کہ یہ حضرات اصل دین فطرت لے کر نہیں آئے تھے بلکہ اس لیے تشریف لائے تھے کہ دین فطرت کی راہ ہموار کریں اور آخری بعثت کی بشارت دیں۔ علاوہ ازیں قرآن نے ان لوگوں کو بھی رہبانیت کی تعلیم سے بری قرار دیا ہے جیسا کہ چوتھی فصل کے آخر میں ہم اشارہ کر چکے ہیں۔

پس اگر پیغمبر کی زندگی میں کوئی بات ایسی نظر آئے جس میں بظاہر رہبانیت کی کوئی جھلک ہو تو سمجھنا چاہیے کہ یہ چیز رہبانیت کی راہ سے نہیں آئی ہے بلکہ تقویٰ کی راہ سے آئی ہے اور اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس نے پاکیزہ اور حلال چیزوں کو حرام قرار دے لیا ہے۔ بلکہ یہ یقین رکھنا چاہیے کہ یہ حلت کا پورا یقین رکھتا ہے البتہ یہ

ہوا ہے کہ اس شے کے بعض پہلو اس سے مخفی رہ گئے ہیں اور اس سے اس کو کسی ضرر کا اندیشہ ہے۔ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ اس پر اصل حقیقت کھول دیتا ہے اور اس کو حکم دیتا ہے کہ اس نے جو پابندی اپنے اوپر عائد کر لی ہے اس کو توڑ دے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

۶۔ نزول قرآن کے لیے موقع مناسب کا اہتمام

ہم اپنی کتاب شان النزول[1] میں بیان کر چکے ہیں کہ قرآن مجید نے اپنے نزول کے لیے بہترین حالات و مواقع کا لحاظ رکھا ہے تاکہ دلوں میں اس کو قبول کرنے کے لیے آمادگی اور صلاحیت پیدا ہو جائے۔ بارش کے لیے موزوں ترین وقت، وہ ہے جب زمین پیاسی ہو۔ غذا سب سے زیادہ لذیذ اس وقت معلوم ہوتی ہے جب بھوک موجود ہو۔ لطف و تفریح کی تلاش طبیعت کو اس وقت ہوتی ہے جب پژمردگی اور بے دلی کی ایک پوری جانکاہ شب گذر چکی ہو۔ یہ قدرت کا ایک ہمہ گیر قانون ہے، جو اس کائنات کے ہر گوشہ میں جاری و نافذ۔ مبدءِ فیاض ہمیشہ استعداد اور آمادگی کا انتظار کرتا ہے۔ اسی اصول کے مطابق تنگی کے بعد کشادگی اور کلفت کے بعد راحت کا ظہور ہوتا ہے اور اسی قانون کا اہتمام تھا کہ یہ سورۂ احتساب اس وقت تک نازل نہیں ہوئی جب تک تقدیر الٰہی نے اس کے لیے مناسب حالات و معاملات کی فضا پیدا کر کے طبیعتوں کو اس کے قبول کرنے کے لیے آمادہ و منتظر نہیں بنا دیا۔

ہم نے اپنی مذکورہ کتاب میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ چونکہ آیات کے مصداق کے بارہ میں سلف کے قیاسات کو بھی لوگوں نے بالعموم خبر و روایت کی حیثیت دے دی ہے، اس وجہ سے ایک ایک آیت کے تحت اتنی مختلف اور متضاد روایات جمع ہو گئی ہیں کہ ان کے انبار میں اصل حقیقت اکثر کھو جاتی ہے۔

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیر ہا

پھر مزید ستم یہ ہوا ہے کہ اس انبار میں ملحدین نے اپنی فاسد ملاوٹیں بھی شامل کر دیں جس سے اس کا مزاج اور بھی بگڑ گیا۔ یہاں اس بحث کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ ہم کہیں اور اس کو لکھ چکے ہیں۔ یہاں بالاجمال صرف یہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اس سورہ کے شان نزول کے بارہ میں بھی ایسے اقوال منقول ہیں جو کلام کی اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے والے ہیں، اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس پردہ کو چاک کیا جائے تاکہ صحیح تاویل بے نقاب ہو کر سامنے آ جائے۔

۷۔ سورہ کا شان نزول باعتبار کلیات

جس طرح لوگ جہالت کی وجہ سے شرک میں پڑ گئے اسی طرح بہتوں نے یہ خیال بھی قائم کر لیا کہ انبیاء و صلحاء سے

[1] مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کا معتد بہ حصہ لکھ لیا تھا لیکن ابھی اس کی اشاعت کی نوبت نہیں آئی البتہ شان نزول سے متعلق ایک فصل مولانا نے مقدمہ نظام القرآن میں بھی لکھی ہے اور اس میں شان نزول سے متعلق اپنا نقطۂ نظر واضح کر دیا ہے، جو لوگ ان کا نقطۂ نظر معلوم کرنا چاہیں وہ اس کو دیکھیں۔ (مترجم)

رشتہ و قرابت خدا کے ہاں قربت و مقبولیت کا ذریعہ ہے۔ یہ خیال انسان کی بدترین حماقتوں میں سے ہے۔ اس سے بہت سی قومیں ہلاک ہوئی ہیں۔ خصوصاً یہود تو خاص طور پر اس حماقت ہی میں پڑ کر تباہ ہوئے کہ ان کو حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق، اور حضرت یعقوب علیہم السلام سے نسبت حاصل ہے اور وہ ایک ایسی امت ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہی کے لیے خاص کر لیا ہے۔ اس طرح کا گھمنڈ حماقت ہونے کے علاوہ نہایت سخت قسم کی دناءت اور ناشکری بھی ہے۔ بلند ہمتی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی بہترین اسلاف کا بہترین خلف بننے کی کوشش کرے نہ کہ ان کا بدترین خلف بننے پر راضی ہو جائے۔ اسی طرح احساس شکر کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی ان نعمتوں پر فخر کرنے کی جرأت نہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے بغیر کسی استحقاق کے بندے کو بخشی ہیں اور حسب و نسب کا گھمنڈ تو صرف شیطان کا خاصا ہے۔ اسی چیز کی وجہ سے شیطان ہلاک ہوا اور یہی چیز اس کے تمام پیروؤں کو ہلاکت میں ڈالے گی۔

یہود کی یہی حالت مقتضی ہوئی کہ وہ طرح طرح کی ذلت انگیز آزمائشوں میں ڈالے جائیں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کے قانون عدل کی اصلی حقیقت ان پر آشکارا ہو اور وہ اس قسم کے توہمات سے اپنے دل کو پاک کر کے حسن عمل اور حسن اطاعت کی راہ سے کامیاب ہونے اور عزت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ وہ بار بار قید و بند اور قتل و ہلاکت کی مصیبتوں سے دوچار ہوئے۔ کئی بار ان پر عبرت انگیز تباہیاں نازل ہوئیں۔ ان کے انبیاء نے بھی ان کو ان کی اس دناءت اور اس ناشکری پر سرزنشیں کیں لیکن ان تنبیہات سے انھوں نے بہت کم فائدہ حاصل کیا۔ حضرت یحییٰ نے ان کو جن الفاظ میں تنبیہ فرمائی ہے اس کا ایک نمونہ یہ ہے:

"اے سانپ کے بچو! تم کو کس نے تبا دیا کہ آنے والے غضب سے بھاگو پس توبہ کے موافق پھل لاؤ اور اپنے دلوں میں یہ کہنے کا خیال نہ کرو کہ ابراہام ہمارا باپ ہے کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا ان پتھروں سے ابراہام کے لیے اولاد پیدا کر سکتا ہے۔ اور اب درختوں کی جڑ پر کلہاڑا رکھا ہوا ہے۔" (متی ۳)

قرآن مجید نے بار بار اس حقیقت کو آشکارا کیا ہے کہ انسان اپنے بار امانت کا تنہا ذمہ دار ہے۔ اس معاملہ میں کسی کی رشتہ داری اور کسی کی مدد اس کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی۔ سورۂ لقمان میں ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ وَاخۡشَوۡا یَوۡمًا لَّا یَجۡزِیۡ وَالِدٌ عَنۡ وَّلَدِهٖ ۖ وَلَا مَوۡلُوۡدٌ هُوَ جَازٍ عَنۡ وَّالِدِهٖ شَیۡـًٔا ؕ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا (لقمان۔ ۳۳)

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، اور اس دن سے ڈرو جس دن باپ بیٹے کے کام نہ آئے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آ سکے گا۔ اللہ کا وعدہ پورا ہو کے رہے گا پس دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈالے۔

قرآن مجید نے نوحؑ کے بیٹے، لوطؑ کی بیوی، آزر کے بیٹے اور فرعون کی بیوی کے جو قصے بیان کیے ہیں، ان سے بھی مقصود اسی حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ جزا کے دن آدمی کو اس کے رشتے اور تعلقات کوئی نفع نہ پہنچا سکیں گے۔

یہی اصولی حقیقت بسط و تفصیل کے ساتھ اس سورہ میں بیان ہوئی تاکہ منافقین اور کفار (خواہ عرب میں سے ہوں یا یہود میں سے) کے سامنے یہ بات اچھی طرح روشن ہو جائے کہ ابراہیم کا رشتہ ان کے لیے کوئی نفع پہنچانے والی چیز نہیں ہے

اگر کوئی چیز ان کو نفع پہنچا سکتی ہے تو صرف عمل صالح۔

علاوہ ازیں اس سے مومنین کو یہ تعلیم بھی ملتی ہے کہ ان کو اپنے اہل و عیال کا محاسبہ کرنے میں پوری سختی سے کام لینا چاہیے، اس میں غفلت یا چشم پوشی جائز نہیں ہے اور ساتھ ہی یہ امر بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ احتساب کی ایک معتدل حد ہے اس سے آگے بڑھ کر ہمارے لیے یہ بات جائز نہیں ہو سکتی کہ ہم اللہ تعالیٰ کی جائز کی ہوئی چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیں یا اپنی فطرت کے مقتضیات اور اس کے قوانین کو باطل کر دیں۔

یہ تین اصولی حقیقتیں ہیں جو اس سورہ میں ہمارے سامنے آتی ہیں اور یہ تینوں ایک ہی اصل کی شاخیں ہیں۔ وحی الٰہی نے اس حقیقت کی تعلیم کے لیے ایک ایسے مناسب واقعہ کا انتظار کیا جو ان حقائق کو دل نشین کرنے کے لیے ایک بہترین ماحول پیدا کرنے والا ہو۔ چنانچہ پردۂ تقدیر سے اس طرح کا ایک واقعہ ظہور میں آگیا جو بظاہر تو نہایت معمولی تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی معمولی واقعہ کو نہایت مہتم بالشان حقائق کی تعلیم کا ذریعہ بنا دیا۔

اس کی مثالیں قرآن مجید اور دوسرے آسمانی صحیفوں میں بہت ملتی ہیں۔ اس کی ایک واضح مثال نابینا کا واقعہ ہے جو سورۂ عبس میں بیان ہوا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑی تعلیم کا ذریعہ بنایا۔ اسی طرح موسیٰ و ہارون علیہما السلام پر عتاب فرمایا جب کہ وہ چٹان پر لاٹھی مارتے وقت اللہ کا نام لینا بھول گئے (دیکھو گنتی ۲۰: ۱۱-۱۲ ۲۳-۲۴[1]) اسی طرح حضرت سلیمانؑ کو ایک معمولی غفلت پر تنبیہ فرمائی۔ خواص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ معمولی باتوں پر بھی ان کی گرفت ہو جاتی ہے اور عوام بڑی سے بڑی باتوں پر بھی اس دنیا میں نہیں پکڑے جاتے۔ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں ہیں جن کو صرف اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔ آیت وَلَوۡ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ کی تفسیر ذیل میں اس پر مفصل بحث ملے گی۔ سورۂ عَبَسَ وَتَوَلّٰۤی کی تفسیر میں بھی ہم نے اس کی طرف اشارات کیے ہیں۔

یہاں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ وحی الٰہی ہمیشہ موقع مناسب کا انتظار کرتی ہے تاکہ جو بات کہی جا رہی ہے وہ دلوں میں گھر کر سکے اور پوری توجہ سے اس کو سنیں۔ جب اس طرح کا کوئی واقعہ ظہور میں آجاتا ہے تو اس کے مناسب حال تعلیم دی جاتی ہے اور اس وقت صرف اتنی ہی تعلیم نہیں دی جاتی جتنی نفس واقعہ سے متعلق ہوتی ہے بلکہ پھر اس کے لپیٹ میں اس کے تمام اصول و فروع بیان کر دیے جاتے ہیں۔ ایسے مواقع پر حسن نظام کا ایک دقیق و باریک رشتہ ان تمام مختلف امور کو باہم گرہ جوڑتا ہے جو بظاہر متفرق اور ایک دوسرے سے الگ الگ نظر آتے ہیں۔ اس وجہ سے اس طرح کے مواقع فکر و تدبر کے محتاج ہوتے ہیں۔ اب ہم اصل واقعہ پر قرآن مجید کی روشنی میں غور کرتے ہیں۔

---

[1] تب موسیٰ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اس چٹان پر لاٹھی ماری اور کثرت سے پانی بہہ نکلا اور جماعت نے اور ان کے چوپایوں نے پیا۔ پر موسیٰؑ اور ہارونؑ سے خداوند تعالیٰ نے کہا چونکہ تم نے میرا یقین نہیں کیا کہ بنی اسرائیل کے سامنے میری تقدیس کرتے اس لیے تم اس جماعت کو اس ملک میں جو میں نے ان کو دیا ہے نہیں پہنچانے پاؤ گے اور خداوند تعالیٰ نے کوہ ہور پر جو ادوم کی سرحد سے ملا ہوا تھا موسیٰؑ اور ہارونؑ سے کہا۔ ہارونؑ اپنے لوگوں میں جا ملے گا کیونکہ وہ اس ملک میں جو میں نے بنی اسرائیل کو دیا ہے جانے نہیں پائے گا اس لیے کہ مریبہ کے چشمہ پر تم نے میرے کام کے خلاف عمل کیا۔

۸- آیات ۱-۲ کا شانِ نزول

عورتیں اپنی نزاکت اور ذکاوتِ حس کے سبب سے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض کھانے کی چیزیں ناپسند کرتی ہیں۔ یہ عام نسوانی فطرت امہات المومنین میں بھی موجود تھی۔ ان میں سے بعض کو بعض چیزیں طبعاً نامرغوب تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کو شہد (جیسا کہ روایت میں وارد ہے) ناپسند رہا ہو۔ بالخصوص شہد کی بعض قسمیں اپنی بو اور مزے کی تلخی کے سبب سے ایسی ہوتی بھی ہیں کہ ہر شخص ان کو پسند نہیں کر سکتا۔ آنحضرت صلعم کو شہد بہت مرغوب تھا، لیکن جب آپؐ کو معلوم ہوا کہ آپؐ کی ازواج میں سے بعض کو یہ چیز ناپسند ہے تو آپؐ نے ترک فرمادیا۔ اور اس کے اسباب مندرجہ ذیل تھے۔

الف - آپؐ میں غایت درجہ ایثار کا جذبہ تھا۔

ب - کمزوروں بالخصوص عورتوں اور یتیموں کے معاملے میں آپؐ غایت درجہ مہربان تھے۔

ج - آپؐ بالطبع عمدہ اور پاکیزہ چیزوں کو پسند فرماتے تھے اور بدبودار اور ناگوار چیزوں کو ناپسند فرماتے تھے۔ یہ چیز آپؐ کے دین میں حلت و حرمت کی علامات میں سے بھی تھی۔ اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ اپنی ازواج کی دلداری کے طور پر آپؐ نے شہد کھانا ترک فرمادیا ہو۔

علاوہ ازیں بعض اور اسباب بھی اس کے محرک ہوئے ہوں گے۔

جب صحابہؓ کو آپؐ کے اس ارادہ کا حال معلوم ہوا ہوگا تو آپؐ کی پیروی میں انھوں نے بھی شہد کا استعمال ترک کردیا ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو حکم دیا کہ اپنا یہ عہد توڑ دیں اور "نقضِ عہد" کی گرانی جو ایسی حالت میں قدرتاً ہر طبیعت محسوس کرتی، اس کا ازالہ یہ کہہ کر فرمادیا کہ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ (اور اللہ ہی تمہارا مالک ہے)

یہ واقعہ کا سیدھا سادا بیان ہوا۔ اب دیکھو اس کے لپیٹ میں بہت سی حکیمانہ تعلیمات بیان ہوگئی ہیں۔ مثلاً

۱- بیویوں کی دلداری ایک پسندیدہ خصلت ہے بشرطیکہ یہ اس حد تک نہ بڑھے کہ اس سے دین کو کوئی نقصان پہنچے۔ سورہ لقمان میں بھی ہم کو یہی تعلیم دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ اولاد کو حسن سلوک اور حسن اطاعت کی نصیحت فرمائی ہے لیکن ساتھ ہی ایسی باتوں میں ان کی اطاعت سے روک دیا ہے جو خدا کی نافرمانی کا سبب ہوں۔ اسی اصول کے مطابق یہاں بھی بیویوں کی رضا جوئی، اور دلداری کو اصل قرار دیا ہے اور اس کی ممانعت اسی شکل میں فرمائی جب اس سے کسی دینی ضرر کا اندیشہ ہو۔

۲- دوسری یہ کہ اگر آدمی خدا کے حکم کے خلاف کوئی قسم کھا بیٹھے تو اس قسم کا توڑ ڈالنا واجب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی عہد اس وقت تک عہد نہیں ہو سکتا جب تک وہ عبد و معبود دونوں کی رضا کی بنیاد پر قائم نہ ہو اور ظاہر ہے کہ جو عہد خدا کی رضا کے لیے نہیں بلکہ اس کی نافرمانی کے لیے ہے وہ عہد اس وصف سے بالکل محروم ہے۔ آنحضرت صلعم کے ارشادات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

۳- اس میں رہبانیت کی نہایت واضح لفظوں میں تردید ہوگئی ہے جیسا کہ ہم پہلی اور چوتھی فصل میں بیان کر چکے ہیں۔

۴- اس امت کے لیے اللہ تعالیٰ کا جو خاص فضل اور بعثت محمدی کے ذریعہ تکمیل دین کا جو مخصوص اہتمام ہے وہ بھی اس سے پوری طرح واضح ہوتا ہے کہ جو معاملات بظاہر نہایت معمولی نظر آتے ہیں وہ بھی اس دین میں احتساب کی گرفت سے نہیں بچتے۔ تاکہ ہم پر یہ بات اچھی طرح روشن رہے کہ جو باتیں ہماری نگاہوں میں معمولی ہوتی ہیں، بسا اوقات وہی اپنے نتائج کے اعتبار سے نہایت خوفناک بن جایا کرتی ہیں۔

۵- شریعت کے تمام احکام علم و حکمت پر مبنی ہیں۔

۶- تحریم و تحلیل کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اس باب میں جو لوگ بدعت کے مرتکب ہوئے ہیں، ان کو نہایت سخت الفاظ میں بعض جگہ سرزنش فرمائی گئی ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ (نحل-۱۱۶)	تم اپنی زبانوں کے بیان کیے ہوئے جھوٹ کی بنا پر یہ نہ کہو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام، تاکہ اللہ پر جھوٹ باندھو۔ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔

ہر چند کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کو اپنے اوپر حرام نہیں کیا تھا، لیکن آپؐ کا اور آپؐ کے صحابہؓ کا فعل بعد والوں کے لیے نمونہ بن سکتا تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس سے آپؐ کو روک دیا۔ بعینہٖ اسی قسم کے اسباب سے آں حضرت صلعم نے تہجد کی نماز جماعت کے ساتھ ترک فرمادی تھی۔ اس کی تفصیل اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی تفسیر کے ذیل میں بیان ہوئی ہے اور اس کا کچھ حصہ سورۂ انعام میں بھی مذکور ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ دین میں بدعت درحقیقت شرک اور کفر کا ایک شعبہ ہے۔

یہ وہ بنیادی تعلیمات ہیں جو ان آیات پر تدبر کرنے سے حاصل ہوتی ہیں۔ رہی اس بات کی تفتیش کہ وہ کیا شے تھی جو آں حضرت صلعم نے ترک فرمائی تھی تو اس پر وقت صرف کرنا بالکل فضول ہے۔ جس چیز کا ذکر اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا ہے اس کی کھوج میں پڑنے سے کیا حاصل؟

ابتدا کی دو آیتوں کا شانِ نزول یہ ہے۔ باقی رہیں اس کے بعد کی آیات تو ان کا تعلق ایک دوسرے واقعہ سے ہے اور اب ہم ان کے شانِ نزول کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

۹- آیات ۳-۵ کا شان نزول

آیت (وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ ۔ اَبْكَارًا) میں ایک دوسرے مگر پہلے سے بالکل ملتے جلتے ہوئے واقعہ کا بیان ہوا ہے۔ اور اِذْ کے بعد بالعموم مماثل واقعات ہی کا بیان ہوتا ہے۔ پہلے آں حضرت صلعم کے خلق عظیم کا وہ پہلو بیان کیا ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپؐ ازواج مطہرات کی غایت درجہ دلداری فرماتے تھے۔ پھر اسی سے ملتے جلتے آپؐ کی سیرت کے ایک دوسرے پہلو کو بے نقاب کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ ان کو اپنا محرمِ اسرار بھی

بناتے تھے اور اس میں شبہ نہیں کہ میاں بیوی کے باہمی تعلقات محبت میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ اسی چیز کو حاصل ہے۔ اگر ایک شخص اپنی بیوی سے اپنے رازوں کو چھپاتا ہے تو اس نے اس کا درجہ بہت گرا دیا ہے۔ وہ میاں بیوی کے فطری تعلق کو صرف ایک حیوانی خواہش کی تشفی کا ذریعہ سمجھتا ہے اور بس۔

پھر اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ نے اس رازداری کا ذکر فرمایا ہے جس کی ذمہ داری عورت پر عائد ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ (پس نیکوکار عورتیں فرمانبردار اور غیب کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔ بوجہ اس کے اللہ نے اس کی حفاظت کی)۔ اس آیت پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ رازداری کا رتبہ اس قدر بلند ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی صفات میں گنایا ہے۔ اور اسی صفت کی بنا پر اس کا نام ستار ہے۔

پھر اس سے ہم کو ایک اور اعلیٰ تعلیم بھی ملتی ہے وہ یہ کہ ملامت و نصیحت کرنے میں (بالخصوص بیویوں کو) سخت گیری اور تشدد کا طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہیے۔ چنانچہ آن حضرت صلعم کا جو اخلاق بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ آپؐ نے اپنی بیوی سے پوری بات نہیں ذکر کی بلکہ اس کی طرف صرف ایک اشارہ فرما دیا تاکہ اس کی تفصیل سے ان کو زیادہ شرمندگی اور پریشانی نہ ہو۔

علاوہ ازیں اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ سوکنوں میں محبت، جو عورت کی سب سے اعلیٰ مگر کمیاب صفت ہے۔ آن حضرت صلعم کی ازواج مطہرات میں بالعموم اور ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ میں، بوجہ ان کے کمال عقل اور ان کی پاکیزگیٔ نفس کے پورے طور پر موجود تھی۔ چنانچہ یہ باہمی محبت ہی تھی جس نے آپس میں رازداری کے تمام پردے اٹھا دیے تھے اور ایک نے دوسرے سے ایک راز کی بات بے تکلف ظاہر کر دی جس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ فرمائی۔

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ لغزش، جو بربنائے محبت و اخلاص صادر ہوئی، اپنے محرک کے اعتبار سے بہت سی نیکیوں پر فضیلت کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی طرح کی لغزش حضرت نوح علیہ السلام سے اپنے بیٹے کے لیے استغفار کے معاملے میں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اپنے باپ کے معاملے میں ہوئی جو درحقیقت اس رافت و محبت کا مظہر تھی جو اخلاق کے نقطۂ نظر سے نہایت پسندیدہ چیز ہے۔ اپنی حقیقت کے اعتبار سے یہ فعل رہبانیت سے مشابہت رکھتا ہے جو ایک نیک جذبہ سے وجود میں آتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس چیز کو حلال قرار دینے کا حکم دیا جو برنبائے تشدد حرام کی گئی ہو۔ اسی طرح اس چیز کو حرام قرار دینے کا بھی حکم دیا جو محض طبیعت کی نرمی اور کریم النفسی کے سبب سے حلال کر دی گئی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارا دین کس طرح نرمی اور سختی کے درمیان ایک نقطۂ اعتدال ہے اور وہ کس صحت و اہتمام کے ساتھ ہر چیز کو اس کی اصل جگہ سے دیکھنا چاہتا ہے۔

اس کے بعد حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما کی توبہ اور ان کے رجوع الی اللہ کا ذکر فرمایا ہے۔ اس کی پوری تفصیل ہم ایک مستقل فصل میں صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا کی تفسیر کے سلسلے میں بیان کریں گے۔

جنگ کے بعد صلح اور آزردگی کے بعد ملاپ میں جو لذت ہے ایک اعلیٰ پیمانہ پر وہی لذت ایک سچی اور حقیقی

توبہ میں ہے۔ اس کی تفصیل آل عمران کی آیت ۱۳۲-۱۳۵ میں ملے گی جہاں اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے۔ اس سے اندازہ کر سکو گے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کا رتبہ کس قدر بلند ہے۔

پھر ان سب کے بعد ایک اور نہایت اہم حقیقت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ زوجین کے فرائض میں سے باہمی مودت و محبت بھی ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ آیت وَاِنْ تَظٰھَرَا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰـہُ وَجِبْرِیْلُ (اگر اس کے خلاف ایکا کرو گی تو اللہ اس کا حامی ہے اور جبریل) سے جس صورت حال کی طرف ایک ہلکا سا اشارہ ہو رہا ہے احادیث سے بھی اس کی تائید ہو رہی ہے۔ ہم اس کو کسی قدر وضاحت کے ساتھ پیش کرنا چاہتے ہیں۔

آں حضرت صلعم کے متعلق یہ بات معلوم ہے کہ جس طرح آپؐ اپنے صحابہؓ کے ساتھ تمام چھوٹے بڑے کاموں میں شریک ہوتے تھے اسی طرح آپؐ گھر کے کام کاج میں اپنی ازواج مطہرات کا بھی ہاتھ بٹاتے تھے اور اس خلق نبوی نے قدرتاً باہم گر انس و محبت کی ایک ایسی حالت پیدا کر دی تھی جس کو زیادہ سے زیادہ اعتماد و محبت کی حالت کہا جا سکتا ہے۔ اس باہمی اعتماد کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب آنحضرت صلعم نے افشائے راز پر کسی قدر ناخوشی کا اظہار فرمایا اور کچھ کھنچے کھنچے سے ظاہر ہوئے تو ان دونوں بیبیوں پر یہ بات شاق گزری اور ان میں ایک طرح کا جذبۂ غیرت و حمیت بھڑک اٹھا۔ اگرچہ یہ جذبہ ہر موقع و محل میں پسندیدہ نہیں ہے۔ لیکن باعزت اور شریف طبائع کے اندر یہ ایسا فطری جذبہ ہے کہ ایسے مواقع پر اس کا دبا رہنا نہایت ہی مشکل ہے۔ پس جیسا کہ میاں بیوی کی باہمی زندگی میں عام طور پر ہوا کرتا ہے یہ دونوں بیویاں بھی آپؐ سے روٹھ گئیں۔ انھوں نے خیال کیا کہ یہ آپس کے نجی تعلقات کا ایک معاملہ ہے جس میں ان کو اپنی خودداری کے اظہار کا پورا حق ہے۔ اس کو دین سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔

اس موقع پر مناسب ہوگا اگر ہم اس غیرت و خودداری کو بھی یاد رکھیں جو عرب کی فطرت کا خاص جوہر رہی ہے اور جس کی وجہ سے ان کے لیے کسی کی اطاعت کرنے سے زیادہ دشوار کوئی اور بات نہ تھی اس چیز نے ایک جذبہ کی حد سے گزر کر ان کی طبیعت ثانیہ کی حیثیت حاصل کر لی تھی اور ان کے اکثر اخلاقی محاسن کا سرچشمہ ان کی یہی چیز تھی۔

معاملہ کے اس پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کو نصیحت فرمائی کہ پیغمبر کی تمہارے ساتھ دل بستگی ایک بالکل مختلف حالت رکھتی ہے۔ یہ اس کی طرف سے تمہارے حال پر سراسر شفقت و مہربانی ہے۔ پیغمبر کے لیے اللہ کا تعلق کیا کم ہے کہ وہ کسی اور تعلق میں طمانیت اور تسلی ڈھونڈے۔ اس کی مجلس تو ہر وقت روح القدس، مومنین، صالحین اور ملائکہ سے معمور ہے۔ تم اگر اس سے روٹھ جاؤ گے تو اس سے تمہارے ہی دل اجڑ جائیں گے۔ اس کی بزم کی رونق پھیکی نہیں پڑ سکتی۔ اور پھر واضح لفظوں میں بتا دیا کہ کسی امر معروف میں پیغمبر کی اطاعت سے انحراف درحقیقت امر الٰہی سے انحراف کے ہم معنی ہے۔ اس وجہ سے تمہارے لیے ضروری ہے کہ تم توبہ کرو۔

پھر پانچویں آیت میں اس دینی شرف و تقویٰ سے تعرض کیا ہے، جس کا احساس ان دونوں بیویوں کو ہو سکتا تھا۔ اور وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کے اہل بیت خود چنے ہیں اور اپنے خاص فضل و رحمت سے ان کو عمدہ اخلاق سے آراستہ فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ اَلطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ (اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ

مردوں کے لیے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہیں) دوسری جگہ فرمایا۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (اللہ تو بس یہ چاہتا ہے اے پیغمبرؐ کے اہل بیت کہ تم سے وہ ناپاکی کو دور کر دے اور تم کو پاکیزہ بنائے جیسا کہ پاکیزہ بنانے کا حق ہے) اس وجہ سے پیغمبرؐ کے اہل بیت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے فضائل پر فخر کریں۔ یہ روشنی جو ان کو حاصل ہے محض نبیؐ کے فیض صحبت سے حاصل ہے۔ اگر پیغمبرؐ ان کو چھوڑ دے اور اپنے لیے دوسری بیویاں پسند کر لے تو بہت ممکن ہے کہ وہ اپنے اخلاق و فضائل کے لحاظ سے ان سے بہتر ہوں۔ پس ضروری ہے کہ وہ اپنی اس دینی فضیلت کے سرچشمہ کو سمجھیں اور اس کی اطاعت و محبت کے لیے ان کے دل جھک جائیں اور یہ چیز ایسی نہیں ہے جس سے وہ بیگانہ ہوں یا جس کی طلب ان کے اندر موجود نہ ہو، اس کی تڑپ خود ان کے اندر پہلے سے موجود ہے۔ کیونکہ حمیت کا اصل سرچشمہ درحقیقت حیا ہے۔ وہ غیرت و حمیت جو میاں بیوی کے درمیان ابھرتی ہے اس میں خفگی اور بے پروائی محض اوپر کا پردہ ہوتی ہے، اس کے باطن میں محبت کی بے قراریوں کے چشمے ابلتے رہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک معاملہ کی اصل حقیقت یہ ہے۔ بارھویں فصل میں ہم نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ہرچند کہ اس واقعہ کا تعلق صرف دو ہی بیبیوں سے تھا لیکن اس آیت میں، جس میں تنبیہ فرمائی گئی ہے، صیغہ جمع کا استعمال ہوا ہے تاکہ ایک طرف نصیحت میں عمومیت کا پہلو پیدا ہو اور دوسری طرف سرزنش کی شدت کچھ ہلکی ہو جائے۔

اس واقعہ سے ہم کو بہت سے ایسے سبق حاصل ہوتے ہیں جو خانگی زندگی کی اصلاح کی بنیاد ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ بیویوں کے ساتھ حسن سلوک نہایت ضروری ہے مگر ان کے احتساب سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ تدبیر منزل، جو تمام تمدنی زندگی کی بنیاد ہے، اس کی معتدل راہ یہی ہے۔ خانگی زندگی کا بگاڑ اور میاں بیوی کے تعلقات کی خرابی سلطنت کی خرابی کا پیش خیمہ ہے۔ اس چیز سے ان قوانین کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے جو خانگی زندگی کی اصلاح و درستگی کے لیے اسلام نے بنائے ہیں۔ اب ہم سورہ کے شان نزول پر اس پہلو سے غور کرتے ہیں۔

۲۰- آیات (۱-۵) کا شانِ نزول

(ایک اصولی حقیقت)

اس حقیقت سے ہر مسلمان واقف ہے کہ اسلام یہودیت کی سختی اور نصرانیت کی نرمی کے بین بین ہے۔ یہ اصولی حقیقت اس درجۂ اعتدال کے سمجھنے کی طرف رہنمائی کرتی ہے جو اسلام نے ہماری شریعت کے اکثر جزئیات میں ملحوظ رکھی ہے۔ یہاں ہم اس معاملے کے اتنے حصہ پر غور کرنا چاہتے ہیں جتنا مذکورہ واقعہ سے متعلق ہے۔

یہ معلوم ہے کہ یہودی شریعت کے تمام قوانین و احکام عورتوں کے لیے نہایت سخت اور معاشرتی میزان میں ان کے رتبہ کو ہلکا کرنے والے تھے۔ اس کے بالکل برعکس نصاریٰ نے، جیسا کہ ہم اپنی کتاب[1] میں بیان کر چکے ہیں۔ عورتوں کے بارہ

[1] اردو ترجمہ کے جس نسخہ پر میں نظر ثانی کر رہا ہوں اس میں یہاں صرف کتاب کا لفظ ہے، کسی کتاب کا نام نہیں ہے۔ ممکن ہے اصل عربی کتاب میں یہاں نام کا ذکر ہو لیکن میرے پاس اس وقت اصل کتاب موجود نہیں ہے اور چونکہ میں یہ نظر ثانی کا کام لاہور سنٹرل جیل میں کر رہا ہوں اس وجہ سے اصل کتاب کا حاصل کرنا میرے لیے کوئی آسان کام نہیں ہے (مترجم)

میں انتہائی نرمی کی راہ اختیار کی۔ یہ دونوں راہیں افراط و تفریط کی راہیں تھیں جو اکثر ایک ہی نتیجہ تک رہبری کرتی ہیں، بھلائی اور بہتری کی راہ صرف اعتدال اور میانہ روی کی راہ ہے۔

ان معاملات میں عربوں کا رجحان مذکورہ دونوں رجحانات سے بالکل الگ تھا۔ وہاں حقوق کے لیے عورتوں اور مردوں میں ایک مستقل کش مکش اور آویزش کی صورت قائم تھی۔ عورت اور مرد دونوں زیادہ سے زیادہ حقوق حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کر رہے تھے اور چونکہ شرافت و حمیت عربوں کے خون کا اصل جوہر تھا اور اس کی وجہ سے کمزوروں کو دبانا وہ خلاف شان سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے عورتوں کو، اپنی طبعی کمزوری کے باوجود، موقع تھا کہ اس طلب حقوق کی جنگ میں ان سے نبرد آزمائی کر سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہاں کوئی متوازن حالت قائم نہیں تھی بلکہ ایک مستقل کشاکش کی حالت تھی جس میں کبھی مرد فتحیاب ہوتے تھے، کبھی عورتیں۔ جن لوگوں نے جاہلیت کی تاریخ کا غور سے مطالعہ کیا ہے وہ اس امر واقعہ کا انکار نہیں کر سکتے۔ امراء القیس عورتوں کے بارہ میں کہتا ہے۔

وَاِنَّکَ لم یفخر علیک کفاخر ضعیف ولم یغلبک مثل مغلب

ایک کمزور فخر کرنے والے سے زیادہ تمہارے مقابلے میں کسی نے کاہے کو فخر کیا ہوگا۔ اور ایک بار بار کے شکست خوردہ سے زیادہ تمہارے اوپر کسی نے کاہے کو کبھی قابو پایا ہوگا۔

اس میں امراء القیس نے عورتوں کے لیے مغلب (جس کے بار بار شکست کھائی ہو) کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے اس جنگ و نزاع کی حالت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے جو عورتوں اور مردوں کے درمیان وہاں برپا تھی۔

مکہ میں قریش کا حال بالکل یہی تھا۔ وہ عرب کی طبیعت کے اصل نمائندے تھے۔ ان کے ہاں عورت کا معاشرتی رتبہ عام طور پر بین بین رہتا لیکن جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کبھی کبھی یہ حالت غیر متوازن بھی ہو جاتی۔ لیکن جب یہ لوگ ہجرت کر کے یثرب (مدینہ) پہنچے تو وہاں یہ حالت بالکل بدل گئی۔ وہاں یہود اور نصاریٰ بکثرت آباد تھے۔ ان میں سے بہت سے نصاریٰ اسلام لائے اور ان کی عورتوں کا میل جول مسلمان عورتوں سے بڑھا۔ اس میل جول نے قریش کی عورتوں پر نہایت گہرا اثر ڈالا۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت عمرؓ بن الخطاب سے اسی امر کے بارہ میں روایت کرتے ہیں کہ "ہم قریش کے لوگوں کا حال یہ تھا کہ مرد عورتوں پر غالب تھے لیکن جب ہم مدینہ آئے تو ہم نے یہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ ان کی عورتیں ان کے مردوں پر غالب ہیں۔ ان عورتوں کے ساتھ جب ہماری عورتوں کے ساتھ میل جول بڑھا تو ہماری عورتیں بھی مردوں کے مقابلے میں دلیر ہو گئیں"

یہ حالت متقاضی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ عورتوں کے حقوق اور ان کے فرائض دونوں تفصیل کے ساتھ بیان فرما دے۔ اس طرح تدبیر منزل سے متعلق بیشتر بنیادی قوانین کے نزول کے لیے نہایت سازگار ساعت تقدیر الٰہی سے ظہور میں آ گئی۔ چنانچہ اسی زمانہ میں سورۂ نساء نازل ہوئی جس میں میراث و نکاح وغیرہ کے احکام بھی بیان ہوئے اور ساتھ ہی عورتوں کا معاشرتی درجہ متعین کرنے میں بھی یہ سورہ ایک قول فیصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح عورتوں سے متعلق بعض احکام سورۂ بقرہ میں بھی نازل ہوئے جن کے رو سے عورتوں کو بعض بنیادی حقوق حاصل ہوئے تاکہ اختلاف و نزاع

کے وقت ان کے حقوق و فرائض کی تعیین میں اساس کا کام دے سکیں اور ناانصافی و حق تلفی کے امکانات باقی نہ رہیں۔

یہی وہ اصلی مصلحت ہے جس کی وجہ سے اسلام میں احکام و قوانین کی تفصیل کی گئی ہے۔ نصاریٰ کی گمراہی کی ایک وجہ ان کی شریعت کا اجمال و ابہام بھی ہے۔ اجمال اسی وقت تک موزوں رہتا ہے جب تک قوم کے حالات و اخلاق درست رہیں، مگر جب اخلاق بگڑ جاتے ہیں تو تفصیل ناگزیر ہو جاتی ہے، اور تفصیل بھی ایسی جو بدلنے والے حالات کا ساتھ دے سکے۔

علاوہ ازیں عورتوں کے حقوق و فرائض کی تفصیل سورۂ نور میں بھی کی گئی ہے اور اس کو وسط قرآن میں جگہ دی گئی ہے اور عورتوں کے حقوق کی اہمیت کے پیش نظر دو سورتیں ـــ سورۂ نساء اور سورۂ احزاب دونوں کناروں پر رکھی گئی ہیں۔ پھر اس سورۂ تحریم میں بھی، جس کا نزول ایک خاص واقعہ کے ساتھ متقدر تھا، اللہ تعالیٰ نے ہم کو وہ تمام ذمہ داریاں بتائی ہیں جو ہمارے اہل و عیال سے متعلق ہمارے اوپر عائد ہوتی ہیں۔ نیز جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، ہم کو احتساب کی سخت گیری کے ساتھ ساتھ احسان اور نرمی کی تعلیم بھی دی گئی ہے۔ ان تمام تفصیلات نے عورتوں سے متعلق حقوق و فرائض کے تمام گوشوں کو ہمارے لیے اس طرح واضح کر دیا ہے کہ کوئی بات ہمارے لیے مبہم و مجمل نہیں رہ گئی ہے اس کے بالکل برعکس نصاریٰ کے ہاں ہر چیز مجمل ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس امر کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ان کو عورتوں پر اختیار حاصل ہے یا عورتوں کو ان پر۔ ہم اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَاۗءِ کی تفسیر میں اس امر کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

پھر یہاں ایک اور امر بھی قابل غور ہے وہ یہ کہ یہ سورہ، اپنی ماقبل سورہ (سورۂ طلاق) کے ساتھ، احکام کی آخری سورہ ہے، اور بقرہ احکام کی اولین سورہ ہے، اور ان دونوں میں عورتوں سے متعلق احکام بیان ہوئے ہیں۔ پھر سورۂ نور جیسا کہ ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے وسط میں رکھی گئی ہے اور نساء اور احزاب دونوں کناروں پر ہیں۔ اس سے اس اہتمام کا اندازہ ہوتا ہے جو قرآن نے عورتوں کے حقوق اور ان کی اصلاح کے معاملے میں اختیار کیا ہے اور یہ اہتمام اس دین کامل کی خصوصیات میں سے ہے۔

اور ایک بنیادی حقیقت جو سورۂ نساء میں بھی پوری وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے اور جس کی طرف اس سورہ میں بھی اور قرآن کے دوسرے مقامات میں بھی اشارہ کیا گیا ہے، یہ ہے کہ ان معاملات سے متعلق تمام قوانین و احکام کی بنا اس امر پر ہے کہ عورت اور مرد دونوں ایک ہی نفس کے اجزا ہیں۔ پس اگر ہم اپنے حالات کی ٹھیک ٹھیک اصلاح کر لیں تو ہم گویا ایک ہی جسم و جان کی طرح ہو جائیں گے۔ اس اعتبار سے مردوں کا اقتدار عورتوں پر کوئی ظلم و تعدی اور کوئی قہر و جبر نہیں ہے بلکہ یہ ایک دوسرے کی اسی طرح خدمت و اعانت ہے جس طرح ایک جسم کے مختلف اعضاء ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔ اس نکتہ کی پوری تفصیل خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا (تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اسی سے پیدا کی اس کی بیوی) کی تفسیر کے ذیل ہم کر چکے ہیں۔ یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۱۔ "صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا" کی لغوی تحقیق

دنیا کی تمام زبانوں میں عموماً اور عربی زبان میں خصوصاً خاص خاص الفاظ خاص خاص معانی کے لیے آتے ہیں اور

اس کے ساتھ ہی وہ ایک کلی معنی کے تحت بھی ہوتے ہیں۔ جو لوگ زبان کی ان خصوصیات سے ناواقف ہیں وہ زبان کے فہم سے محروم رہتے ہیں۔

مثلاً مَیْلٌ (جھکنا، ہٹنا) ایک کلی مفہوم ہے اس کے تحت عربی میں بہت سے الفاظ ہیں۔ مثلاً زیغ، جور، ازعوا، حیادۃ، انحراف وغیرہ، لیکن یہ سب، میل عن الشیٔ یعنی کسی چیز سے ہٹنے اور پھرنے کے لیے آتے ہیں۔ پھر اسی کے تحت فیٔ، توبۃ، التفات اور صغو وغیرہ کے الفاظ ہیں جو سب کے سب میل الی الشیٔ، یعنی کسی چیز کی طرف مائل ہونے اور جھکنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ جو لوگ اس قسم کے باریک فرقوں سے ناواقف ہیں وہ زبان کے سمجھنے میں خود بھی غلطیاں کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی غلطیوں میں ڈالتے ہیں۔

اس نکتہ کے واضح ہو جانے کے بعد عربی زبان کے ایک عالم سے یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ ضغت قلوبکما کے معنی انابت قلوبکما ومالت الی اللہ ورسولہ (یعنی تم دونوں کے دل اللہ اور اس کے رسول کی طرف جھک چکے ہیں) کے ہوں گے۔ کیونکہ صغو کا لفظ کسی شے کی طرف جھکنے کے لیے آتا ہے، کسی شے سے مڑنے اور ہٹنے کے لیے نہیں آتا۔ لفظ کی یہ حقیقت اس کے تمام مشتقات میں بھی موجود ہے۔ مثلاً "صاغیۃ الرجل" کسی شخص کے اتباع کو کہتے ہیں۔ صغوۃ معک کے معنی ہیں، اس کا میلان تمہاری طرف ہے۔ "اصغیت الی فلان" اس کی طرف تم نے کان لگایا۔ حدیث شریف میں ہے ینفع فی الصور فلا یسمعہ احد الا اصغی الیہ (صور پھونکا جائے گا تو کوئی سننے والا ایسا نہ ہوگا جو اس کی طرف اپنی گردن نہ موڑ لے) اسی طرح محاورہ ہے۔ الصبی اعلم بمصغی خدہ (بچہ اپنی آغوش مہر و محبت کو خوب پہچانتا ہے) اسی سے ہے "صغت الشمس والنجوم" (سورج اور ستارے زمین کی طرف جھک گئے) ہرہ والی حدیث میں ہے۔ کان یصغی لہا الاناء (اس کے لیے برتن کو جھکا دیتے تھے تاکہ وہ آسانی سے پانی پی سکے) برتن کے جوف کو "صغو" کہتے ہیں کیونکہ چیز اس میں مجتمع ہو جاتی ہے۔

ابن بری نے "اصغاء سمع" (کسی کی طرف کان لگانا) کے ثبوت میں کسی شاعر کا مندرجہ ذیل شعر پیش کیا ہے

ترى السفيه به عن كل مكرمة   زيغ وفيه للتسفيه اصغاء

(بے وقوف آدمی کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ عزت و شرف کی ہر بات سے منہ موڑتا ہے اور سفاہت کی باتوں کی طرف کان لگاتا ہے)

تصغى اذا شدها بالكور جانحة   حتى اذا ما استوى فى غرزها تثبت

(جب وہ اس پر کجاوہ کستا ہے تو وہ گردن موڑ کر کان لگاتی ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے رکاب میں پاؤں رکھ دیتا ہے تو وہ جھپٹ پڑتی ہے)

اعشی اپنے کیسے کی آنکھ کا ذکر کرتا ہے۔

ترى عينها صغواء فى جنب مؤقها   تراقب كفى والقطيع المحرما

(اس کی آنکھ گوشۂ چشم کی طرف جھکی ہوئی ہوتی ہے اور وہ میری ہتھیلی اور سخت کوڑے کو دیکھتا ہے)

نمر بن تولب اصغاء اناء کا محاورہ انڈیل دینے کے معنی میں استعمال کرتا ہے۔

وان ابن اخت القوم مصغی اناؤه اذا لم یزاحم خاله باب جلد

(اور قوم کے بھانجے کی حق تلفی کی جاتی ہے اگر وہ اپنے ماموؤں کی ایک بہادر باپ سے مزاحمت نہ کرے)

میں نے یہ تمام اشعار لسان العرب سے نقل کیے ہیں۔ اور جگہ جگہ بعض مفید اشارے بھی کر دیے ہیں۔ جن لوگوں کو حق کی تلاش ہے ان کے لیے یہ شواہد بس کرتے ہیں۔ وہ ان کو پاکر پوری طرح مطمئن ہو جائیں گے اور گھڑنے والوں نے روایات و آثار میں جو زہر ملا دیا ہے اس سے ہلاک نہ ہوں گے۔ گھڑنے والوں نے جب کتاب الٰہی میں لفظی تحریف کی راہیں بند دیکھیں تو معنوی تحریف ہی کے لیے انھوں نے کچھ دروازے کھول لیے۔ اور کیا لفظی تحریف کی جسارت سے یہ حضرات باز رہے؟ ابو سعود نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ایک قراءت "زاغت" کی بھی ہے۔ لیکن خیریت ہے کہ اس کو صیغۂ مجہول سے بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی ناقابلِ اعتنا شخص کا قول ہے۔ تاہم دیکھو "صغت" کے معنی زاغ کے کر دینے کے لیے کیا کیا کوششیں کی گئی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ حق کو باقی رکھتا ہے اور باطل کو برابر چھانٹتا رہتا ہے۔

۱۲- إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا کے اسلوب کی وضاحت

صغت قلوبکما کے معنی واضح ہو جانے کے بعد اس آیت کے اسلوب پر غور کرنا چاہیے تاکہ اس کے تمام اجزا کا باہمی تعلق بھی واضح ہو جائے۔

اہلِ عرب کے متعلق یہ بات معلوم ہے کہ وہ کلام میں حشو و زوائد سے بہت بچتے ہیں اور بات کے جتنے حصہ کا حذف ممکن ہو اس کے ذکر کو بلاغت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ یہ فن بلاغت کا ایک نہایت وسیع باب ہے جس کی تفصیلات طویل ہیں۔ ہم یہاں صرف اتنے حصہ پر بحث کرنا چاہتے ہیں جتنا "انْ شرطیہ اور قد" سے تعلق رکھتا ہے۔

پہلے ہم بعض مثالیں نقل کریں گے تاکہ جس محذوف کو ہم روشنی میں لانا چاہتے ہیں۔ اس کی طرف اشارہ کر سکیں۔

قرآن مجید میں ہے:

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ (الانفال-۱۹) اگر تم فتح چاہتے تھے تو لو فتح آگئی۔

دوسری جگہ ہے:

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ (الانعام-۱۸۴) اگر یہ تم کو جھٹلاتے ہیں تو کچھ تعجب نہیں تم سے پہلے دوسرے انبیاء کو بھی جھٹلایا گیا۔

ایک جگہ ہے:

فَإِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ۔ (الانعام-۸۹) اگر یہ اس کا انکار کرتے ہیں تو کچھ غم نہیں۔ ہم نے اس پر ایک ایسی قوم مامور کی ہے جو اس کی منکر نہیں ہے۔

کلام عرب میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ جاہلی شاعر مرداس بن حصین کہتا ہے:

فان نوزأهم فلقد تركنا كفاء هو لدى الاب المضاع

ان تمام مثالوں پر غور کرو گے تو معلوم ہو گا کہ اس طرح کے اسالیب میں "قد" کے بعد جو جملہ ہوا کرتا ہے وہ اس امر کی آسانی اور سہولت کو بیان کرتا ہے جو "ان" کے بعد کہی جاتی ہے۔ یعنی اسلوب محذوف کو اگر کھول دیا جائے تو تقدیر کلام یہ ہوتی ہے کہ اگر ایسا ایسا ہوا تو کچھ ہرج نہیں، یا کوئی اشکال نہیں، یا یہ معمولی بات ہے کیونکہ ایسا ایسا ہو چکا ہے۔ پس اس آیت کی تاویل یہ ہو گی کہ اگر تم پیغمبرؐ کی رضا جوئی کے لیے خدا سے توبہ کرو، جس طرح پیغمبر تمھاری دلداری فرماتا ہے، تو یہی بات تم سے متوقع ہے کیونکہ تمھارے دل تو اس کی طرف مائل ہی ہیں۔

یہ ایک بالکل واضح اور صاف تاویل ہے جس میں نہ کسی قسم کا اشکال ہے نہ کوئی شائبہ تکلف ہے۔ پھر نہیں معلوم یکسر جھوٹی روایات پر بھروسہ کر کے (جو حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، حالانکہ ان کا دامن ان سے پاک ہے) لوگوں نے لفظ کے ٹھیک معنی اور کلام کے صحیح مدعا سے اعراض کیوں جائز سمجھا۔

۱۳- تَتُوبَا إِلَى اللهِ اور تُوبُوا تَوْبَةً نَصُوحًا میں ربط اور بعض نکات

یہاں توبہ سے مراد وہ کامل توبہ ہے جس کے بعد کسی اختلاف و اعراض کے لیے کوئی گنجائش باقی نہ رہ جائے۔ یہ توبہ دل کے پورے جھکاؤ اور قلب کے کامل انقیاد کے بعد ظہور میں آتی ہے۔ اسی توبہ سے میاں بیوی دو جسم یک جان بنتے ہیں۔ یہی توبہ ہے جس سے بندہ اپنے مولیٰ کی بندگی میں فنا ہوتا ہے اور مولیٰ اس کا کان، اس کی آنکھ اور اس کا دل بن جاتا ہے۔ قدیم صحیفوں میں فرمانبردار امت کی مثال اکثر فرمانبردار بیٹے اور فرمانبردار بیوی سے دی گئی ہے۔ یہاں ہم صرف بعض اجمالی اشارات پر قناعت کرتے ہیں۔ ان کی تفصیل ہماری کتاب الامثال الالٰہیۃ[1] میں ملے گی۔

یہود اور نصاریٰ کم فہمی کی وجہ سے اس طرح کی مثالوں سے دھوکے میں پڑ گئے۔ وہ اپنی نسبت یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں۔ قرآن اسی وجہ سے اس طرح کے کلام سے بچتا ہے تاہم بسا اوقات بعض لطیف اشارے ایسے کر جاتا ہے جس سے خواص کے علم و بصیرت میں اضافہ ہو لیکن عوام اس سے کسی فتنہ میں نہ پڑیں (دیکھو تفسیر سورہ طلاق[2])

چنانچہ یہاں پیغمبر صلعم کی بیویوں کو کامل توبہ کا حکم دینے کے بعد عام بندوں کو بھی توبہ کا حکم دیا اور اس کے ساتھ "نصوح" کی قید لگائی، یعنی یہ توبہ خالص توبہ ہو اور ان کے لیے آخرت میں روشنی، قربتِ الٰہی اور پیغمبر کی صحبت و معیت کا وعدہ کیا، جیسا کہ دنیا میں ان کو پیغمبر کی صحبت اور اپنے اہل و عیال کی معیت حاصل ہے۔ چنانچہ ان امور کا مختلف مقامات میں ذکر فرمایا ہے۔ مثلاً اہل و عیال کی معیت کے متعلق فرمایا:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ۔ (الطور-۲۱) اور جو لوگ کہ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ان کی پیروی کی ایمان کے ساتھ ہم ان کے ساتھ ان کی اولاد کو ملا دیں گے۔

---

[1] یہ کتاب مولانا رحمۃ اللہ علیہ نہیں لکھ سکے۔ [2] تفسیر سورۂ طلاق مولانا مکمل نہیں کر سکے۔ (مترجم)

دوسری جگہ ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا وَّیَنْقَلِبُ اِلٰۤی اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا۔

اور جن کو ملا ان کا اعمالنامہ داہنے ہاتھ میں توان کا حساب سہل ہوگا اور وہ خوش خوش اپنے اہل میں لوٹیں گے۔

اسی طرح نیکوکاروں کے آپس کے اجتماع کا بھی ذکر فرمایا ہے:

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ۔ (الفجر - ۲۹)

اے قرار پکڑنے والی جان، لوٹ اپنے پروردگار کی طرف خوش خوش اور پسندیدہ ہوکر۔ اور شامل ہو میرے بندوں میں اور داخل ہو میری بہشت میں۔

اسی طرح خود اپنی قربت کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ

اور آگے رہنے والے تو وہی لوگ مقرب ہیں۔

اور اوپر والی آیت میں اِرْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ (اپنے پروردگار کی طرف لوٹ) اور جَنَّتِیْ (میری بہشت) کے الفاظ سے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ قرآن اور دیگر انبیاء کے صحیفوں میں یہ مضمون اشارۃً اور تصریحاً بار بار بیان ہوا ہے اور حق یہ ہے کہ جو بہشت قرب و وصال کی لذتوں سے خالی ہو، وہ دوزخ کے برابر ہے۔ چنانچہ دوزخیوں کی سب سے بڑی محرومی و نامرادی قرآن نے یہی بیان کی ہے کہ

اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ

وہ اپنے پروردگار سے اس دن اوٹ میں ہوں گے۔

الغرض جو شخص ٹھیک ٹھیک سمجھ جائے گا کہ توبہ اور رجوع کی اصلی حقیقت دنیا اور آخرت میں کیا ہے اور یہ بات بھی سمجھ جائے گا کہ بندہ توبہ کر کے اپنے مولیٰ سے اپنے ٹوٹے ہوئے رشتے کو جوڑتا ہے اور غیروں کے بندھن سے آزاد ہوتا ہے اور اسی میں اس کے مولیٰ کی رضا جوئی مضمر ہے، پھر اس امر پر بھی نظر رکھے گا کہ عورت جب اپنے شوہر سے خیانت کرتی ہے تو یہ چیز شوہر کی آتش غیرت و غضب کو سب سے زیادہ بھڑکانے والی ہوتی ہے تو وہ شخص اس تمثیل کے موقع و محل اور اس کی اصلی حقیقت کو ٹھیک ٹھیک سمجھ جائے گا اور اس پر یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ سے لے کر آخر سورہ تک کا تمام نظم بالکل روشن ہوجائے گا۔

۱۴- یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ کی تفسیر اور سورہ سے اس کا تعلق

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ (اے پیغمبر کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو) میں بالکل آخری اور سخت ترین تبلیغ ہے تاکہ جن لوگوں میں توبہ اور اصلاحِ حال کی ادنیٰ صلاحیت بھی موجود ہے وہ توبہ کر کے پیغمبر کی اطاعت کے حلقہ میں داخل ہو جائیں۔ بعینہٖ یہی آیت سورۂ توبہ میں بھی وارد ہے اور اس کے بعد یہ آیت ہے:

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا

اور اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انھوں نے کوئی بات نہیں کہی حالانکہ

كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ فَاِنْ یَّتُوْبُوْا یَكُ خَیْرًا لَّهُمْ وَاِنْ یَّتَوَلَّوْا یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِیْمًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔ (توبہ - ۷۴)

انھوں نے کفر کی بات کہی اور بے شبہ انھوں نے کفر کیا اسلام لانے کے بعد اور انھوں نے ایک ایسی چیز کی خواہش کی جو ان کو نہیں مل سکی۔ اور نہیں ہے ان کا غصہ مگر اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے ان کو مستغنی کیا۔ پس اگر وہ توبہ کریں تو ان کے لیے بہتر ہے اور اگر انھوں نے منہ موڑا تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا۔

اس آیت سے یہ امر بالکل واضح ہوگیا کہ تبلیغ کی یہ سختی محض اس لیے تھی کہ جن کے اندر قبولیت کی کچھ بھی صلاحیت ہے وہ اس جھنجھوڑنے سے بیدار ہو جائیں اور صرف وہی لوگ باقی رہ جائیں جن کے عذاب کا تازیانہ مقدر ہوچکا ہے۔ ہم نے سورۂ توبہ میں تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ یہ سختی محض توبہ کے غرض سے تھی تاکہ نیکی کا جوہر برائی کے کھوٹ سے صاف ہو کر نمایاں ہو جائے۔ قدرت کا یہ منشاء درشتی اور نرمی دونوں سے پورا ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید نے ان دونوں کی مثالیں بیان کی ہیں۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًا (الرعد - ۱۷)

اور آسمان سے پانی اتارا پس وادیاں اپنے اندازہ کے ساتھ بہہ نکلیں پھر سیلاب نے ابھرے ہوئے جھاگ اٹھا لیے۔

یہ نرمی کی مثال ہے اس کے بعد سختی کی مثال دی ہے۔

وَمِمَّا یُوْقِدُوْنَ عَلَیْهِ فِی النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْیَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ كَذٰلِكَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ كَذٰلِكَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ (الرعد - ۱۷)

اور جن چیزوں پر آگ دھونکتے ہیں زیور یا کوئی اور سامان بنانے کے لیے اس میں اسی طرح کا جھاگ ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ حق و باطل کو ٹکراتا ہے۔ بس جھاگ تو مٹ جاتا ہے باقی جو چیز لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے وہ زمین میں ٹک جاتی ہے اسی طرح اللہ مثلیں بیان کرتا ہے۔

اس جانچ پرکھ کی سخت گیری کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تعلقات اور قرابت کی وہ تمام زنجیریں ٹوٹ کر گر جاتی ہیں جو آدمی کو حق کے رشتے سے روکنے والی ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ آدمی اپنے ماں باپ اور اہل و عیال کے تمام ناتوں کو کاٹ کے صرف اللہ کے ایک ہی رشتہ سے جڑ جاتا ہے اور پاکی اور پاکیزگی کا یہی وہ مقام ہے جس کی طرف اشارہ فرمایا ہے وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اور میں تم کو ان لوگوں کی آلودگی سے پاک کرنے والا ہوں جنھوں نے کفر کیا۔

۱۵- چاروں مثالوں کی شرح

اس پاکیزگی اور تمام دنیاوی تعلقات کے انقطاع کے مضمون کو اچھی طرح واضح کر دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے چار مثالیں بیان فرمائی ہیں جن سے اس بنیادی حقیقت کی تمام تفصیلیں سامنے آجاتی ہیں۔ ہم ذیل میں وہ نتائج پیش کرتے

ہیں جو ان مثالوں سے نکلتے ہیں۔

۱۔ نیکو کاروں کا رشتہ قرابت آخرت میں بدکاروں کے کچھ کام نہ آئے گا۔

۲۔ نیکو کار خود اپنے برے رشتہ داروں سے علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں اور سب کو چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول کے دامن میں پناہ لیتے ہیں۔ چنانچہ فرعون کی بیوی نے دعا کی رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (اے میرے پروردگار میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھ کو فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے اور مجھ کو ظالم قوم سے نجات دے) اس نے اپنی قوم اور اپنے شوہر سے اپنا رشتہ کاٹ لیا اور اپنے لیے اپنے پروردگار کی رحمت کے پڑوس میں ایک مکان کی دعا کی۔ اسی طرح تمام نیک بندے ظالموں اور بدکاروں کے ساتھ اپنے رشتہ کو کاٹ کے اللہ کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں اور یہی وہ اصلی پاکیزگی اور فرقان ہے جس کا قرآن میں بار بار ذکر آیا ہے اور جیسا کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات میں بیان ہوا ہے، یہی حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے ساتھ کیا اور ان کے طرز عمل کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ایک بہترین نمونہ قرار دیا۔ سورۂ ممتحنہ میں اس کی پوری تفصیل بیان ہو چکی ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کی دعائیں دنیا میں قبول فرماتا ہے اور ان کو بروں کی صحبت و شرکت سے نجات دیتا ہے۔ چنانچہ فرعون کی بیوی کی دعا قبول فرمائی اور اس کو فرعون کے پنجہ سے نجات دی۔

بعینہٖ یہی حقیقت نوحؑ، ابراہیمؑ، لوطؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور تمام دوسرے انبیاء علیہم السلام کی سرگزشتوں سے واضح ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنا ایک ناقابل تبدیل قانون قرار دیا۔

قرآن مجید نے متعدد مقامات میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ مثلاً

الٓمّٓ، اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ، وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ (العنکبوت - ۱-۳)

الم، کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ محض اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ "ہم ایمان لائے" اور وہ جانچے نہ جائیں گے اور ہم نے ان لوگوں کو جانچا جو ان سے پہلے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ ضرور کھولے گا ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو جو جھوٹے ہیں۔

یہاں فلیعلمن اللہ (اللہ ان کو جانے گا) کا لفظ ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ تمام ظاہر و باطن اور تمام کھلے چھپے کو جانتا ہے۔ یقیناً اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے حالات کو مسلمانوں کے لیے بالکل عریاں اور آشکارا کر دے گا تاکہ وہ حکم الٰہی کے مطابق ایسے لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لیں جن کے باطن میں نفاق کی آلائش ہے۔

یہی بات دوسری جگہ اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ

اور اللہ مومنوں کو اس حالت میں چھوڑنے والا نہ تھا جس میں تم تھے یہاں تک کہ الگ کرے برے کو بھلے سے، اور

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (اٰل عمران - ۱۷۹)

اللہ تم کو غیب سے خبردار کرنے والا نہ تھا، بلکہ اللہ چن لیتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنے رسولوں میں سے، پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسولوںؑ پر اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور ڈرو گے تو تمہارے لیے بڑا اجر ہے۔[1]

اس بحث کی پوری تفصیل سورۂ حدید اور سورۂ کافرون وغیرہ کی تفسیر میں ملے گی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب تک فتح اور فرقان کی روشنی مطلع پر نمودار نہ ہو جائے اور جب تک مسلمان، کفار اور منافقین بالکل علیحدہ علیحدہ جماعتوں کی شکل میں نمایاں نہ ہو جائیں اس وقت تک پیغمبر اپنی قوم سے رخصت نہیں ہوتا۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہوا کہ آخری مرحلہ میں درشتی اور سخت گیری بھی ظہور میں آئے تاکہ خدا کا نور اور اس کا دین بالکل کامل ہو جائے اور ایک ایسی امت پیدا ہو جائے جو اس دینی امانت کو اٹھا سکے۔ یہی جماعت حزب اللہ اور شہداء اللہ علی الناس کے لقب سے سرفراز ہوتی ہے۔

اس سخت گیری کی مثال حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں میں بھی ملتی ہے آخر وقت میں ان تمام انبیاء کی دعوت نے شدت اور سختی کا لب و لہجہ اختیار کر لیا۔

۴۔ کوئی باایمان امت جب اپنے دل کی تمام پاکی اور اپنی روح کی پوری طہارت کے ساتھ اپنے ایک ہی پروردگار کے لیے مخصوص ہو جاتی ہے اور وہ تمام رخنے بند کر دیتی ہے جن سے اس کے اندر خرابی گھس سکتی ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس پر طمانیت اور رزق حسن کی برکت اور نصرت و غلبہ کی بشارت لے کر اترتے ہیں جیسا کہ ہم مریم بنت عمران علیہا الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں دیکھتے ہیں۔ اس کی پوری تفصیل سورۂ مجادلہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ وہاں فرمایا ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (۲۲)

---

[1] یعنی یہ تو نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ تم کو دلوں کے پوشیدہ رازوں سے خبردار کر دے۔ البتہ یہ ہوگا کہ منافقین رسول کی نافرمانیاں کر کے اپنا باطن تمہارے سامنے کھول دیں گے۔ پس تمہارا فرض یہ ہے کہ رسول کی اطاعت و محبت میں زیادہ سے زیادہ سرگرم رہو اور اس طرح اپنے ایمان کو پختہ اور آشکارا کرو تاکہ تمہاری جماعت منافقین کی جماعت سے علانیہ ممتاز ہو جائے اور تم اس اجر کے مستحق ہو جاؤ جو رسول کے پیروؤں کے لیے مخصوص ہے۔ جیسا کہ بعد کی آیت میں بیان فرمایا ہے۔ منہ

[2] یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ "فرج" کے معنی جیسا کہ "احصنت فرجھا" میں ہے موقع مخافۃ (اندیشے کی جگہ) کے ہیں۔ لبید نے اپنے معلقہ کے ایک شعر میں اس لفظ کو اسی مفہوم میں استعمال کیا ہے۔

فغدت کلا الفرجین تحسب انہا مولی المخافۃ خلفہا وامامہا

اور کلام عرب میں یہ لفظ اس مفہوم میں بہت استعمال ہوا ہے۔ سورۂ انبیاء کی تفسیر میں ہم نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ منہ

تم کوئی ایسی قوم نہیں پا سکتے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو اور وہ دوست رکھے ایسے لوگوں کو جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہوں ــــ اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں، ان کے بھائی ہوں اور ان کے خاندان کے ہوں، جو لوگ ایسے پختہ ہیں وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں خدا نے ایمان لکھ دیا ہے۔ اور اپنی جانب سے ایک روح سے ان کی تائید فرمائی ہے۔ اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہی لوگ اللہ کی جماعت ہیں اور بلاشبہ اللہ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ جماعت جو حزب اللہ کے لقب سے پکاری گئی ہے فتح و نصرت سے سرفراز ہوتی ہے اور اس کی تفصیل متعدد سورتوں مثلاً ــــ آل عمران، سورۂ انبیاء، سورۂ نور، سورۂ صف، سورۂ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ اور سورۂ نصر وغیرہ میں ملے گی۔

پس ان چاروں مثالوں میں کفار کی نامرادی اور نیکوکاروں کے غلبہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور سورہ کا خاتمہ فرمانبرداری اور انابت الی اللہ کے ذکر پر ہوا ہے اور اس طرح احکامی سورتوں کا حصہ پورا ہو گیا اور اس میں بعینہ وہی ترتیب ملحوظ ہے جو ترتیب خود فطرت کے اندر ہے یا جو ترتیب خود بعثت کے احوال و وقائع میں موجود ہے بلکہ مخلوق کے اندر جو سنت اللہ جاری و نافذ ہے۔ اس میں بھی یہی ترتیب ہے، کیونکہ آخری مرحلہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے ہی کا ہے۔ وَهُوَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ۔ سورۂ اخلاص وغیرہ میں اس کی مزید تفصیل ملے گی۔

یہ ان مثالوں کی اجمالی حقیقت کی طرف اشارہ تھا اب ہم ان کی تشریح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

۱۶- چاروں مثالوں کا ربط اور ان کی مطابقت

پہلی اور دوسری مثال کفار کی ہے۔ چونکہ اوپر منافقین کا ذکر گزر چکا تھا اور ان سے ان دونوں مثالوں کا نہایت قریبی تعلق تھا اس وجہ سے ان کو پہلے بیان فرمایا۔ دوسری دونوں مثالیں فرمانبرداری اور اطاعت کی حقیقت ظاہر کر رہی ہیں۔ اور ایک خاص حکمت جس کی طرف ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں، متقضی ہوئی کہ یہ سورہ تعلق باللہ اور تبتل الی اللہ کے مضمون پر ختم ہو۔ اس حکمت سے یہ دونوں مثالیں اخیر میں بیان ہوئیں۔

بظاہر یہ عورتوں کی مثالیں ہیں لیکن ان کے اندر جو تعلیم ہے وہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے عام ہے۔ اس لیے بعض ایسے امور کی رعایت ضروری ہوئی جو مردوں اور عورتوں دونوں کے حالات کے لیے موزوں ہوں۔ چنانچہ ان مثالوں سے جو اخلاقی خصوصیات سامنے آتی ہیں وہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے یکساں اہمیت رکھنے والی ہیں مثلاً امانت داری، پاس عہد، رازداری، بیگانوں سے ترک تعلق، پاکیزگی اخلاق، کلمات الٰہی اور کتب سماوی کی تصدیق اور فرمانبرداری وغیرہ۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کی خیانت سے متعلق کوئی تفصیل اگلی کتابوں یا قرآن مجید میں موجود نہیں ہے۔ اسی وجہ سے حضرت سعید بن جبیرؓ نے فرمایا: ”مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔“ لوط علیہ السلام کی بیوی کے متعلق اگلی کتابوں

اور قرآن مجید دونوں میں یہ بات ملتی ہے کہ ممانعت کے باوجود اس نے اپنی معذب بستی کی طرف مڑ کے دیکھا اور اللہ تعالیٰ کے فرمان اور شوہر کے حکم کی اس نے پروا نہ کی۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان دونوں کی خیانت یہ تھی کہ یہ اپنے شوہروں کے دین کی مخالف تھیں۔ حضرت نوحؑ کی بیوی شوہر کے تمام اسرار دشمنوں پر ظاہر کر دیتی۔ اگر کوئی شخص ان پر ایمان لاتا تو اس کی اطلاع فوراً قوم کے تمام سرکشوں کو ہو جاتی۔ لوطؑ کی بیوی کا یہ حال تھا کہ جب ان کے یہاں کوئی مہمان اترتا تو اس کی خبر فوراً تمام بدکار قوم میں پھیل جاتی۔“ انہی سے ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت نوحؑ کی بیوی لوگوں میں یہ پھیلاتی پھرتی کہ وہ دیوانہ ہو گئے ہیں۔“

ہمارے نزدیک یہ تمام باتیں حضرت ابن عباسؓ کے مستحسن استنباطات میں سے ہیں۔ اس بارہ میں آنحضرتؐ سے کوئی صحیح قول مروی نہیں ہے۔ بہرصورت اتنا مسلم ہے کہ ان دونوں عورتوں نے اپنے شوہروں کی اطاعت و فرمانبرداری نہیں کی بلکہ ان کی تحقیر کی، حالانکہ عورت اور مرد دونوں کی سب سے اعلیٰ صفت فرمانبرداری اور عہد اطاعت پر قائم رہنا ہی ہے۔ اس کی تصریح سورۂ احزاب میں موجود ہے۔ اس وجہ سے یہاں عورتوں اور مردوں دونوں کے اچھے صفات یکساں طور پر بیان فرمائے ہیں۔ اور جو سچی اطاعت اور کامل عبودیت، محبت اور رضا اور قربانی جان و مال کی تمام خصوصیات کے ساتھ، ہمارے لیے ضروری ہے، ان مثالوں میں اس کا ایک عکس ہم کو دکھایا گیا ہے۔ یہ عکس میاں اور بیوی کی محبت و اطاعت کا عکس ہے جو یقیناً ایک ناقص عکس ہے لیکن اسی ناقص عکس میں اس محبت کامل کا ہم جلوہ دیکھ سکتے ہیں جو بندہ اور خدا کے درمیان ہونی چاہیے۔

ان اعلیٰ صفتوں کے بیان سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ جو صفتیں ان صفتوں کے برعکس ہیں وہ سراسر خباثت اور نجاست ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے ان دونوں عورتوں کے بارہ میں جو بات منقول ہے اس کی تحقیق اگلی فصل میں آئے گی۔

رہی تیسری اور چوتھی مثل تو وہ مومنین کی ہے۔ تیسری مثل میں اللہ تعالیٰ نے تبتل اور انابت الی اللہ کی حقیقت ظاہر فرمائی ہے۔ اس آیت پر غور کرو۔

إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ	جب کہ اس نے کہا اے پروردگار میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھ کو فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے اور مجھ کو ظالم قوم سے نجات دے۔

اس میں عِنْدَكَ (اپنے پاس) کے لفظ پر غور کرو اس میں آنکھوں کی جو ٹھنڈک چھپی ہوئی ہے وہ بیان و توصیف کے حدود سے باہر ہے۔

چوتھی مثال، جیسا کہ ہم پچھلی فصل میں بیان کر آئے ہیں، کمال نعمت کی تصویر ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام اتمام نعمت اور مدد و نصرت اور فتح و غلبہ کے اعتبار سے مومنین بالخصوص انصار کی مثال ہیں۔ آنحضرت صلعم کلمۃ اللہ کی حیثیت رکھتے ہیں، اگرچہ یہ لقب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے مشہور ہے، لیکن حضرت خاتم الانبیاء علیہ السلام

تمام اوصاف کے جامع ہیں اور مکاشفات یوحنا میں جہاں آنحضرت کی پیشین گوئی وارد ہے وہاں آپ کا نام امین اور کَلِمَةُ اللہ بھی بتایا گیا ہے۔ اس کی تفصیل تفسیر سورۂ فیل کی ساتویں فصل میں ہم کریں گے۔

۱۷۔ سورہ کے شانِ نزول اور واقعہ سے ان مثالوں کا تعلق

ان مثالوں کو عام بندگانِ الٰہی سے جو تعلق ہے اس کی تفصیل سے ہم فارغ ہو گئے لیکن سورہ کے آغاز میں جو واقعہ بیان ہوا ہے اس کے ساتھ اس کے تعلق کی توضیح ابھی باقی ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ ہم اس کی طرف متوجہ ہوں۔

یہ معلوم ہے کہ اس سورہ میں شدتِ احتساب کی تعلیم ہے، چنانچہ اس کا آغاز ایک ایسے واقعہ سے ہوتا ہے جو نہ صرف بظاہر بالکل معمولی نظر آتا ہے بلکہ بعض پہلوؤں سے مستحسن بھی معلوم ہوتا ہے لیکن یہ سورہ اس سے روکتی ہے تاکہ ہم پر حکمت الٰہی کا یہ نکتہ واضح ہو جائے کہ دین و شریعت کے معاملہ میں چھوٹی چھوٹی باتوں سے بھی بچنا چاہیے، ورنہ یہی چھوٹی چھوٹی باتیں بڑے بڑے فتنوں کا دروازہ کھول دیتی ہیں۔ دامنِ دل پر پہلے غبار کا ایک ذرہ بیٹھتا ہے لیکن اگر اسے جھاڑ نہ دیا جائے تو اسی پر میل کچیل کی تہیں جمتی چلی جاتی ہیں یہاں تک کہ پورا دل ان تہوں کے نیچے چھپ جاتا ہے۔

پس اس سورہ میں، جو پاکی اور پاکیزگی کی تعلیم دیتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہم کو بتایا ہے کہ ذاتِ الٰہی کے معاملہ میں ہم کو اپنے برے قرابت داروں سے قطع تعلق کر لینا چاہیے۔ اور اس کی امانت کی پورے اہتمام سے نگرانی کرنی چاہیے۔ یہ ایک بہت بڑی آزمائش اور ایک سخت و شدید امتحان ہے۔ جس سے کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہوتی ہے۔ سورۂ ممتحنہ میں اس کا بیان ہو چکا ہے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی ایسے شخص کے سامنے افشائے راز، جو اس کا اہل نہیں ہے، ایک بہت بڑی خیانت ہے۔ رازداری اصلاح و درستگی کی بنیاد ہے۔ اگر اس میں کسی طرح کا رخنہ پیدا ہوا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اصلاح و درستگی کی بنیاد ہی اکھڑ گئی۔

یہاں یہ نکتہ بھی پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ امیر و مامور کے تعلق میں ایک جھلک اس اعتماد اور وفاداری کی بھی ہے جو میاں اور بیوی کے درمیان ہونی چاہیے۔ امیر کا فرض ہے کہ وہ اپنے تمام ماتحتوں کو رموز مملکت میں شریک کرے اور ان سے مشورہ لیتا رہے۔ خود آنحضرت صلعم کو اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ سے مشورہ لیتے رہنے اور ان کو امور مملکت میں شریک کرنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کے محرمانِ اسرار کی ایک خاص جماعت تھی جس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے لوگ شامل تھے۔ صفِ اول کے ان صحابہؓ کے علاوہ دوسرے صحابہؓ بلکہ عام مسلمان بھی بہت سے ایسے رازوں سے واقف ہوتے تھے جن کا اظہار کفار کے سامنے جائز نہ ہوتا تھا اور اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ رازوں اور مشوروں میں یہ شرکت ہی آپس میں حقیقی اعتماد اور سچی محبت کا باعث ہوا کرتی ہے۔ تمدنی زندگی میں اس چیز کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ صرف اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ بعض غیر مسلم قوموں میں یہی چیز

خاص خاص فرقوں کے قیام کا سبب بن گئی، جن کا جماعتی وظیفہ ہی یہی ہے کہ بعض مخصوص اسرار کی نسلاً بعد نسل حفاظت کریں۔ فری میسنز، اسی طرح کی ایک جماعت ہے۔ اگر یہ اپنے راز کی حفاظت نہ کر سکیں تو پھر جماعت کے اندر ان کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی۔ ہمارے ہاں حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ المستشار مؤتمن جس سے مشورہ لیا گیا وہ امین راز بنایا گیا۔ اسی طرح مسلمانوں کو قرآن مجید نے ہدایت فرمائی کہ اہم امور کی اطلاع صرف اربابِ حل و عقد ہی کو ہونی چاہیے۔ سورۂ نساء میں ہے۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ۔ (النساء - ۸۳)

اور جب ان کو امن یا خطرہ کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اس کو فوراً مشتہر کر دیتے ہیں حالانکہ اگر اس کو رسول کے سامنے اور اپنے اربابِ حل و عقد کے سامنے پیش کرتے تو وہی لوگ ان میں سے اس کو جانتے جو اس کی تہہ کو پہنچ سکتے ہیں۔

پس چونکہ رازداری کو کسی قوم کے کیرکٹر میں ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس وجہ سے جب تقدیر الٰہی سے ایک مناسب حال واقعہ ظہور میں آگیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اصلی قدر و منزلت واضح فرما دی۔

سورہ کا آغاز دو واقعات سے ہوا ہے۔ ایک میں ایک ایسی قسم کے توڑنے کا حکم دیا گیا ہے جو نیکی اور تقویٰ سمجھ کر کھائی گئی تھی، دوسرے میں ایک ایسے راز کے ظاہر کر دینے پر سرزنش کی گئی ہے جو بربنائے اخلاص و اعتماد ظاہر کر دیا گیا تھا۔ پھر آخر میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اس طرح کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں چشم پوشی کا انجام بالآخر وہ کفر و نامرادی ہے جو نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویوں کے حصہ میں آئی۔ ان دونوں نے اپنے شوہروں کے رازوں کی حفاظت نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خدا کے قہر و غضب کی مستحق ہوئیں۔

پس اوپر کی دونوں مثالوں میں عبرت و تنبیہ کا ایک عام سبق ہے جس میں امت اور آں حضرت صلعم کی ازواج مطہرات یکساں شریک ہیں تاکہ فرمانبرداری اور امانت داری میں وہ کمال کا وہ درجہ حاصل کریں جو ان کو نبیؐ کی صحبت و معیت کے لائق بنائے اور قیامت کے دن وہ فضلِ الٰہی سے محروم نہ رہیں۔

پھر دوسری دو مثالیں کمال فرمانبرداری اور کمال انابت کی مثالیں ہیں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ کامل اطاعت کا درجہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کیا ہے؟ اور تاکہ پیغمبر کے ساتھ اہل ایمان کی وابستگی ویسی ہی ہو جیسی وابستگی جسم اور روح میں ہوتی ہے اور ان کو اس نور و سرور میں سے حصہ ملے جو پیغمبر کے لیے مقدر ہے اور جس کی تفصیل سورۂ حدید کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

یہی اس تزکیہ کی حقیقت ہے جس کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے وعدہ کیا گیا تھا يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (وہ ان کو پاک کرے گا اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا) اور یہی چیز وسیلۂ تکمیل شریعت و اتمام دین ہے۔

ھذا واللہ تعالیٰ اعلم بما اراد وھو الھادی الی سبیل الرشاد۔